ایک علمی تحریک کا دینی، علمی، فکری، ادبی اور اصلاحی ترجمان

ندائے اعتدال

اپریل ۲۰۱۶ء

ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

فہرست مضامین

۱۔	قرآن کا پیغام	خیر کے کاموں میں عداوت کی نہیں	محمد عارف ندوی	
۲۔	داریہ	ترکی مغرب کے نشانہ پر	مدیر	۳
۳۔	خاص تحریر	جامع اور مؤثر نظام تعلیم کی ضرورت	مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ	۱۴
۴۔	پیام سیرت	ماں......یا......محمد؟؟	محمد فرید حبیب ندوی	۲۰
۵۔	ذکر رسول	دنیا کا سب سے کامیاب معلم	محمد فرید حبیب ندوی	۲۲
۶۔	محبت رسول	قصہ ایک صحابی کی محبت رسول کا	محمد سلمان دہلوی	۲۴
۷۔	خصائص و امتیازات	امت محمدیہ خصوصیات وامتیازات (قسط ۳)	محمد قمر الزماں ندوی	۲۶
۸۔	فکر اسلامی	مفکر اسلام-ایک مطالعہ (قسط-۵)	ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی	۳۱
۹۔	نقد و نظر	حدیث اور محدثین کی بابت راشد شاز	محمد الیاس نعمانی	۳۵
۱۰۔	// //	مسئلہ فلسطین اور راشد شاز کے افکار	محمد غزالی ندوی	۴۱
۱۱۔	تجزیہ	احناف کے ائمہ ثلاثہ اور علم حدیث	مفتی رحمت اللہ ندوی	۴۶
۱۲۔	سفر نامہ	مراکش، دلکشا، دلکش	پروفیسر محسن عثمانی ندوی	۵۱
۱۳۔	عالم اسلام	ترکی دہشت گردی کی زد میں	ڈاکٹر فرقان حمید	۶۱
۱۴۔	آخری صفحہ	ترکیب وتکلف لاکھ کرو............	م۔ق۔ن	۶۳
۱۵۔	نعت	آخری سچ ہے، فقط قول وقرینہ آپ کا	رئیس احمد نعمانی	

❁❁❁

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ عدالتی چارہ جوئی علی گڑھ کی ہی عدالت میں ہوسکتی ہے۔

اداریہ

فکری زاویے

ترکی مغرب کے نشانہ پر

ہم ہمیشہ سے یہ بات کہتے آئے ہیں کہ کوئی مسلمان دہشت گرد نہیں اور دھشت گردی کی فی الحقیقت یہ ہے کہ کوئی تعریف بھی نہیں کی جاسکتی، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سامراجی ذھنیت اور سامراجی مفادات ومقاصد کے حصول کے لئے رچی جانے والی سازشوں اور کمزوروں پر ڈھائے جانے والے مظالم کا نام دہشت گردی ہے، یہ بات ہمارے ان دانشوران کے سمجھنے کی ہے جو مسلمانوں کو دہشت گرد مانتے یا کسی کسی کو مان لیتے ہیں، درحقیقت کوئی مسلمان دہشت گرد ہو ہی نہیں سکتا، اوراب تک منصف مزاج تجزیہ نگار اپنی تحقیقات سے اس بات کو دودو چار کی طرح واضح کرچکے ہیں کہ دہشت گرد پیدا کئے جاتے ہیں، ان کی باقاعدہ ٹریننگ اور برین واشنگ ہوتی ہے، مسلمان نام رکھ کر اور احیاء خلافت کا نعرہ دے کر ایسی وارداتیں انجام دی جاتی ہیں، جن کے سبب مسلمانوں پر ظلم کی راہ ہموار ہوسکے، یہ ایک نظریاتی اور آئیڈیالوجیکل Idialogical war ہے جس کی تاریخ بہت مرتب مگر غور وفکر کی متقاضی ہے، ۹/۱۱ کے واقعہ کے بارے میں کون نہیں جانتا کی سینکڑوں محققین نے اپنی تحقیقات سے یہ ثابت کردیا ہے کہ یہ واردات کسی مسلمان نے انجام نہیں دی، بلکہ اسکی پلاننگ بہت پہلے سے ہورہی تھی، خود ہمارے ہندوستان میں اس عالمی سازش کا بیڑا .R.S.S نے اٹھایا اور اللہ کا شکر ہے کہ وہ بے نقاب بھی ہوئی، یہ الگ بات کہ اقتدار کی مکمل حمایت نے مجرموں کو کھلے عام چھوٹ دے رکھی ہے، لیکن باوجود تمام تر تگ ودو کے آج تک ایک بھی مسلمان دہشت گرد ثابت نہ ہوسکا زندگیاں خواہ کتنی ہی تباہ کردی گئیں۔

امریکہ کو جن تنظیموں سے خطرہ تھا ان کے خلاف اقدامات بہت پہلے شروع ہوچکے تھے، ایک امریکی جریدے نے لکھا تھا کہ "عرب اور اسلامی تنظیموں کے خلاف جارحانہ اور انتقامی کارروائیاں امریکی انتظامیہ میں موجود طاقتور صہیونی لابیوں کے دباؤ کی وجہ سے ہورہی ہیں"۔ بالآخر ۹/۱۱ کی یہ واردات اس ڈرامہ کا آخری منظر Apisode تھا جس کے نتیجہ میں پوری دنیا کسی بھی طرح کے ادنی سے واقعہ کو "مسلم دہشت گردی" سے جوڑنے پر تیار ہوگئی، اور میڈیا نے اس سلسلہ میں جلتی آگ پر تیل چھڑکنے کا کام کیا، آزادی کے نام پر اس نے جو ظلم ڈھایا ہے اور جو تخریبی رویہ اپنایا ہے وہ ناقابل بیان ہے، خود ہمارے وطن میں جیسے ہی کوئی واقعہ ہوا فورا میڈیا نے اسے کسی مسلمان سے جوڑنے کی مہم چھیڑ دی اور بے شرمی کی ساری حدیں تب ٹوٹ گئیں جب عدالتوں سے بری ہونے کے بعد بھی زبردستی بنائے گئے ملزم کو یہ فریبی میڈیا دہشت گرد لکھتا اور بولتا رہا، لیکن حیرت ہے ان دانشوروں پر جو میڈیا پر مسلط رہنے والوں کو آج تک پہچان نہ سکے، گزشتہ کچھ سالوں میں سماجی رابطہ کے ذرائع نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے، لیکن بالآخر انٹرنیٹ ٹیکنالوجی پر قابض افراد یہاں بھی غالب رہے، ایک طرف تو انھوں نے اسٹوڈیو اور کیمرے کے کمالات سے اس قدر جعلی مواد فراہم کردیا کہ صحیح وغلط کی تمیز دشوار ہوگئی، دوسری طرف انھوں نے ان ویب سائٹس کے لئے اتنی

مشکلات کھڑی کردیں جن سے حقائق کا پتہ چل سکتا تھا کہ وہ کبھی کھلتی نہیں تو کبھی چلتی نہیں، وغیرہ وغیرہ

عالمی اور مغربی اسلام دشمن سازشوں کا سمجھنا اس قدر آسان نہیں جیسا لوگ سمجھتے ہیں، پھر مغرب سے کسی خیر کی امید کرنا ہمارے نزدیک فضول ہے، جیسا کہ ہمارے بعض حکمرانوں کا رویہ رہا اور بہت سے دانشوران کا اس پر زور رہا کہ مغرب کو نجات دہندہ سمجھا جائے اور اس سے دوستی کرکے استفادہ کیا جائے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ الٰہی تعلیمات سے یک گونہ انحراف اور لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین اٰمنوا الیھود والذین اشرکوا کے واضح ارشاد کو نہ سمجھنے کی دلیل ہے، مغرب کی خوشنودی اس وقت تک نہیں حاصل کی جاسکتی جب تک ولن ترضی عنك الیھود ولا النصاری حتی تتبع ملتھم کی شرط نہ پوری کردی جائے، اگر یہ شرط نہ پوری کی گئی تو نظریاتی کشمکش جاری رہے گی، اسلام کے علمبردار اگر اپنے کردار اور اس کے لافانی وآفاقی پیغام سے دنیا کو زیر نہ کرسکے تو بالخصوص دنیا انتہائی متعصّبانہ رویہ روا رکھے گی اور عالم اسلام کو غلام بنانے کی تگ ودو میں اپنے ہزاروں افراد کی جانوں اور عزتوں کو بھی داؤ پر لگادے گی۔

اخوان، حماس اور اسی جیسی اسلامی تحریکات پر پابندی اور مظالم اسی نظریاتی کشمکش کا نتیجہ ہے، یہ الگ بات کہ ظلم کی اس ناؤ کو چلانے میں کچھ اپنے بھی شریک ہیں، یہ الگ بات کہ یہ شرکت کبھی شعوری اور کبھی غیر شعوری ہوتی ہے، کس کس طرح لوگ اس ظالمانہ مہم کا حصہ بن جاتے ہیں، سرسری طور پر اخبار پڑھنے والوں اور سنسر خبروں کا تجزیہ کرنے والوں کے لئے یہ سمجھنا ممکن نہیں، اب تو حال یہ ہوچکا ہے کہ کون کس طرح سے مغرب کی زبان بولتا ہے، یا اس کو بولنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور اسے دہشت گردی مخالف مہم میں ''اختراق'' کی مہم کا حصہ اس طرح بنادیا جاتا ہے کہ بسا اوقات وہ خود بھی نہیں سمجھ پاتا، اور اگر سمجھ بھی لیتا ہے تو ''مخترق'' بننا اس کی مجبوری ہوتی ہے، اس لئے کہ تعلیمی، سماجی اور رفاہی کاموں سے جڑے ہوئے لوگ اور تنظیمیں دہشت گردی مخالف مہم کے وہ معصوم شکار ہیں جنھیں مغرب نے سوچی سمجھی سازش کے تحت اس جنگ کا حصہ بناکر مفلوج کیا ہے، بلکہ یہ کہا جائے کہ ان کا عرصۂ حیات تنگ کردیا ہے۔

ابھی ۱۴؍اپریل کو روزنامہ انقلاب میں اوباما کا ایک بیان نظر سے گزرا، اخبار لکھتا ہے ''امریکی صدر براک اوباما نے خبردار کیا ہے کہ ترک صدر کا میڈیا کے ساتھ رویہ اور شام کی جنگ میں پالیسی ترکی کو مشکلات کی طرف لے جارہا ہے، واشنگٹن میں صحافیوں سے گفتگو میں امریکی صدر براک اوباما کا کہنا تھا کہ ترکی کے صدر طیب اردوغان کا میڈیا کے ساتھ سخت رویہ یہی رہا تو انہیں مستقبل میں مسائل کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے، انہوں نے کہا کہ گزشتہ ملاقات میں ترک صدر کو اس سے متعلق اپنے خدشات سے آگاہ کردیا تھا''۔

اوباما کے اس بیان سے قبل ترکی جیسے پرامن ملک میں پے بہ پے کئی دھماکے ہوئے، جس میں سینکڑوں لوگ مارے گئے، اگرچہ ان دھماکوں کے پیچھے کردوں کا بھی ہاتھ ممکن ہے مگر صرف اس خیال سے اسے نظر انداز کرنا مناسب نہیں، یہ بھی دیکھنا ہوگا داخلی مسائل پیدا کیوں ہوتے ہیں، اور پھر حل ہونے کا نام کیوں نہیں لیتے؟؟ ان دھماکوں نے یہ ثابت کردیا کہ ملاقات میں اوباما نے جن مشکلات کی طرف اشارہ کیا ان کا دور شروع ہوگیا، یہ بیان مغرب کی ''دخل در معقولات'' والی ذہنیت کا غماز ہے، مغرب کے عالم اسلام پر تسلط کا عرصہ کافی طویل ہوگیا ہوچکا ہے، وہ ہر حال میں عالم اسلام کو غلام بنا کر رکھنا چاہتا ہے، اسی لئے وہ ملکوں کے داخلی مسائل میں بے جا مداخلت کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا، جس کو بہت سے لوگوں نے ''دخل در معقولات'' سے تعبیر کیا ہے، اپنے اس طرز سے جہاں وہ اپنی بالادستی کا ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے وہیں اس رویہ سے ان ممالک میں داخلی کشمکش جنم لیتی ہے، ترکی ہی میں کردوں کا مسئلہ لے لیجئے ترکی کے ''مردِدانا'' اردوغان کی کوششوں سے کردوں کی سیاسی جماعت تشکیل پائی، انھیں قومی دھارے میں شامل کیا گیا،، ان کی زبان کو سرکاری طور پر تسلیم کیا گیا جب کہ کئی دہائیوں سے مسلسل ترک حکومت صرف کردوں کی سرکوبی کرتی رہی تھی، لیکن پھر 2015 کے الیکشن میں کیا ہوا، الیکشن

کے بعد کردوں نے کیا رخ اپنایا اور اب کیا کر رہے ہیں، صلح وامن کی سب اردوغانی کوششیں کس طرح رائیگاں گئیں، سوچنے اور تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے رہا ترکی کی مشکلات میں اضافہ کا مسئلہ تو اس کا دور شروع ہو چکا، اللہ سلامت رکھے ''مرد بیمار'' کے ان ممالک میں اس طبیب حاذق'' کو جس کے نسخہائے گرانمایہ نے مرد بیمار کے جسم ناتواں میں نئی توانائی پیدا کر دی، نئی روح پھونک دی اور رقوم کو نئے مستقبل کی بازیافت کے لئے آمادہ کر دیا، ترکی کی تاریخ میں اردوغان کے ۱۳ سالہ دور حکومت میں جو اصلاحات و ترمیمات ہوئیں، جو ترقیاتی منصوبے پورے ہوئے اور جس طرح ملک نے اقتصادی مضبوطی حاصل کی اس سے مغرب کو کیا دلچسپی، ہاں اگر وہ داخلی انتشار سے بچنے کے لئے مغرب کے زرخرید اور بے لگام میڈیا کو لگام دینا چاہئے اور اس میں اصلاحات کے لئے اقدام کرے تو اس کو بھی نہ ختم ہونے والی جنگ میں جھونک دیا جائے گا، جس کا واضح اشارہ صہیونی لابی کے منصوبوں کو نافذ کرنے والے امریکی صدر نے دیا، اس کی وجہ صاف ہے کہ ترکی اقتصادی، تجارتی، معاشی اور تعمیری ترقی کے ساتھ ساتھ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے نہ صرف کوشاں ہے بلکہ رفتہ رفتہ اس نے مذہبی ذوق کو عام کرنے میں بھی بڑی کامیابی حاصل کی ہے، شام کی جنگ میں اس نے اپنا واضح موقف اختیار کیا ہے، معصوموں کو اپنے یہاں پناہ دی ہے، اخوانیوں سے ہمدردی جتائی ہے، اخوانیوں کے ساتھ غیر جمہوری رویوں پر کھل کر اظہار ناراضگی کیا ہے، اخوانی قیادت کی حمایت کی ہے، رابعہ کا انقلابی نشان دیا ہے، ایسے اقدامات کئے ہیں جن سے مغرب کے لئے ''بھیانک خواب'' یعنی احیائے خلافت کے عزم کا اظہار ہوتا ہے یہ سب اقدامات و عزائم اسلام پسندی کی دلیل ہیں اور مغرب کی نظر میں اسلام پسندی سے بڑا کوئی جرم نہیں ہے، وہ ہر ایسے شخص اور ایسے ملک کو ختم کرنے کے لئے کسی بھی حد تک جاسکتا ہے جو اسلامی نظام کی بات کرتا ہو، اس لئے کہ مغرب اسلام کو اپنی راہ کا روڑا سمجھتا ہے، وہ اسلام کو اپنے باطل نظریات سے متصادم تصور کرتا ہے، مصر میں اخوانی حکومت کا تختہ پلٹ، سعودیہ و دبئی سے غاصبوں کی حمایت کا اعلان کرانا، دیگر ممالک میں اس جماعت پر پابندی اور اسکے قائدین کو تہہ تیغ کرنا یا پس زنداں ڈال دینا سب اسی پالیسی کا نتیجہ ہے ''ڈانیل پائپس Daniel pipes نے اپنی تحقیق کے ذریعہ امریکی سیاسی اداروں کو اسلامی تنظیموں اور اسلام پسندوں کو ختم کرنے کا یہ طریقہ پیش کیا کہ مسلم قائدین کا صفایا کر دیا جائے، یہ ایک نہیں بلکہ ایسے سینکڑوں مفکرین ہیں جنہوں نے اس طرح کے مشورے اپنی تحقیقاتی اور تجزیاتی رپورٹوں کے ذریعہ دئے ہیں، حسن البنا شہیدؒ سے لے کر محمد المرسی تک تمام مظلوم قائدین اسی ذہنیت کا شکار ہوئے ہیں، اور اب یہ مرد آہنگ دشمن کی آنکھ کا شہتیر ہے، ہم نے محمد المرسی کی جبری معزولی کے وقت اپنے مضمون میں واشنگٹن پوسٹ کا وہ تبصرہ نقل کیا تھا جس میں اس نے کہا تھا کہ محمد المرسی کی واحد وہ طاقتور شخصیت ہے جو اسرائیل کو جنگ بندی پر مجبور کر سکتی ہے اور واقعتاً ایسا ہوا بھی تھا، اور اب خدا محفوظ رکھے ترکی کے اس ''مرد دانا'' کو کہ وہ بھی اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے کوشاں ہے، اور مغرب اسلام کو متصادم نظریہ تصور کرتا ہے، ۱۱/۹ کمیشن رپورٹ میں واضح طور پر کہا گیا ہے ''ہم دہشت گردی کے خلاف جنگ کے دھارے میں نہیں کھڑے، ہم کسی محور شر Exis of evils سے دوچار نہیں بلکہ ہم ایک نظریاتی تصادم کے عین درمیان کھڑے ہیں''۔

Foreigen affaires the real war کا مصنف تھامسن فرائیڈ مین کہتا ہے ''ہم ایک آئیڈیالوجی کو شکست دینے کے لئے لڑ رہے ہیں'' مزید لکھتا ہے ''ہم ایسے لوگوں کے ڈھیلے ڈھالے وفاق loose Confedration کا سامنا کر رہے ہیں جو اسلام کے کجر رو دھارے Perverted Streem پر ایمان رکھتے ہیں جو ابن تیمیہ سے لے کر سید قطب کے افکار تک بہتا آیا ہے''۔

ڈیوڈ بروک کا نیویارک ٹائمز میں شائع کیا گیا یہ بیان پڑھئے اور ہوش کے ناخن لیجئے، وہ کہتا ہے کہ ''ہمارا دشمن بنیادی طور پر

پر ایک ذہنی تحریک ہے، نہ کہ کوئی دہشت گرد فوج'' پھر اس کا علاج تجویز کرتے ہوئے لکھتا ہے ''ہمیں اس سوچ کو سیدھی راہ دکھانے کیلئے ایک فنڈ قائم کرنا چاہئے جو مسلم ممالک میں سیکنڈری اسکولوں اور کالجوں کا ایک جال پھیلا دے ہمیں ایک ایسے نظام فکر سے پالا پڑا ہے جو خلافت کی بحالی چاہتا ہے، اس کا پیغام یہ ہے: شمالی امریکہ کی ریاستیں پہلے متحد ہوگئی تھیں، یورپی ممالک اب متحد ہو رہے ہیں، اسی طرح ایشیائی ممالک بھی اکٹھے ہو رہے ہیں، مسلم ممالک کو تو اپنے اقتصادی، نظریاتی یا کسی اور قسم کے اتحاد کے بارے میں سوچنے کا بھی حق نہیں''۔

جن سازشوں سے اسلام پسندوں کو خطرہ اور جن کے درمیان رہ کر ترکی کا یہ ''مرد دانا'' احیائے اسلام کے لئے کوشاں ہے ان سازشوں کو بے نقاب کرنے والے یہ چند واضح اور ریکارڈڈ Recorded بیانات ہیں، ہمارے مفکرین تو ابھی بھی جمہوریت وسیکولرزم اور سخت گیری وقدامت پسندی کی بحثوں میں الجھے ہوئے ہیں، دشمن کا پورا تھنک ٹینک ہے، دشمن منصوبے اور تجاویز کے ذریعہ حتمی دور فیصلہ کن جنگ کے اشارے دے رہا ہے، اس کے مقابلہ میں ہمارے پاس یا تو تھنک ٹینک ہے ہی نہیں اور ہے تو وہ نظریاتی غلامی کا شکار ہے، جو کچھ آزاد ہے وہ ''اختراقی'' کا شعوری یا غیر شعوری طور پر شکار ہے، چند ایک جو نور بصیرت پاتے ہیں ان کے مغربی مظالم کا تختہ مشق بن جانے میں دیر نہیں لگتی ہے، بہر حال صورت حال درحقیقت یہی ہے اور انتہائی خطرناک ہے، ابھی ابھی اردوغان نے اسلامی تعاون تنظیم کے اجلاس میں سربراہان بلاد اسلامیہ کے سامنے چار انقلابی منصوبے پیش کئے ہیں جو ان کی دور اندیشی کے غماز اور عالم اسلام کی مضبوطی کے ضامن ہیں، وہ منصوبے یہ ہیں تفعيل الجيش الاسلامی ، تشكيل مجلس المرأة، هلال أحمر مشترك، مؤسسة تحكيم دوليه بين الدول الاسلامية ، یعنی اسلامی فوج کو فعال بنانا، تنظیم خواتین کی تشکیل، مشترک ریلیف فنڈ کا قیام، عالمی عدالت برائے ممالک اسلامیہ، یہ موقع ان منصوبوں کی تفصیلات میں جانے کا نہیں۔

لیکن اب دیکھنا یہ ہے کیا عالم اسلام اس ''حکیم ترک'' کی آواز پر کان دھرتا ہے، کیا مسلم حکمرانوں کو اب ہوش آئے گا، کیا اب وہ ''ترک دانا'' کی آواز میں آواز ملائیں گے، کیا وہ انصار اسلام بننے کی کوشش کریں گے، کیا اردوغان اپنے مشن کو جاری رکھ سکیں گے، اوباما نے مشکلات میں اضافہ کا اشارہ دیا اور مشکلات کی ابتدا بھی ہوگئی، خوب واضح ہوگیا کہ عالمی دہشت گردی کو جنم دینے والی طاقت ورایجنسی کے زرخرید خودکش اب ترکی میں داخل ہو چکے ہیں، خواہ وہ کرباغیوں کی ہی شکل میں کیوں نہ ہوں، اردوغان اس صورت حال سے کیسے چھٹکارا پائیں گے یہ ایک سوال ہے، مستقبل اس کا جواب ہوگا، ان کے عزائم بلند اور نیت بہت صاف ہے، شریعت بھی ظاہر پر فیصلہ سناتی ہے، اس لئے ہمارا بھی یقین ہے کہ جب تک وہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور اس کے فطری قانون زندگی کی بالادستی کے لئے کوشاں رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر رہے گا، اسی کا تو ارشاد ہے اور برحق ہے یہ ارشاد ان تنصروا الله ينصركم ويثبت اقدامكم ۔

☆☆☆

نظام ونصاب تعلیم پر بحث

ان دنوں سوشل میڈیا پر نصاب و نظام تعلیم پر مباحثوں کا ایک لامتناہی سلسلہ چل رہا ہے، اواخر فروری میں یہ مباحثہ ایک تعلیمی کانفرنس کے بعد شروع ہوا تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ مباحثوں میں مشغول اکثر لوگ عملی اقدامات سے کوسوں دور اور نصاب ونظام تعلیم کے خدوخال سے ناواقف بس بحث برائے بحث میں وقت گزار رہے ہیں، زندہ اور بااختیار قومیں مباحثے حصول نتائج کے

لئے کرتی ہیں، اور پھر ان کو اپنے عملی مشن کا حصہ بناتی ہیں، جب کہ مغلوب و بے اختیار قومیں تضییع اوقات کے لئے بحثیں کرتی ہیں اور ان ہی بحثوں میں اپنا مقدر ڈھونڈتی ہیں، نہ بحث کا کوئی سرا ہوتا ہے نہ مقصد......اگر مقصد ہوتا بھی ہے تو صرف خواہی نہ خواہی دوسرے کی بات کو رد کرنا اور بس.....ظاہر ہے کہ جب نصاب ونظام تعلیم میں ترمیم واضافہ اور اصلاح کی بات کی جائے گی تو حقائق اور حالات کے پیش نظر ہی کی جائے گی، اس کا مطلب جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے کسی نصاب کی تحقیر یا کسی نظام کو بے کار ثابت کرنا مقصد ہے تو اسے ''زود فہمی یا کج فہمی'' کے سوا کیا کہا جائے گا، ہم نے ایک بزرگ صاحب علم کی آڈیو کلپ سنی، انہوں نے فرمایا کہ جو لوگ نصاب تعلیم میں تبدیلی کی بات کر رہے ہیں یہ ایک نیا فتنہ ہے جو نصاب کی تبدیلی کے نام پر ابھر رہا ہے۔

حیرت ہے کہ اس قدر جرأت مندانہ بیان بغیر سوچے سمجھے دے دیا جائے جس کی زد میں پوری تاریخ اور تبدیلی کا عمل نیز نہ جانے کتنے جید علماء کرام آجائیں تو اس پر سوائے ماتم کے اور کیا کیا جائے، یہ بیان دینے سے قبل اس قدر بھی تاریخ پر توجہ دینے کی ضرورت نہ سمجھی گئی کہ تاریخ کا وہ کون سا دور ہے جس میں تبدیلی کا عمل سرے سے معطل رہا ہو۔

اس میں کسے شک کہ درس نظامی ایک کامیاب نظام تعلیم تھا، شاہان مغل کے دربار میں معقولات کے علماء اپنے علوم کی بنا پر نوازے جاتے تھے، اسی نصاب ونظام تعلیم کے فارغین نظام مملکت کا حصہ بھی بن جاتے تھے، یعنی اس نظام ونصاب کے فارغین اپنی دینی دنیاوی امور کی قیادت کر رہے تھے، لیکن حالات کا رخ بدلا، زمانے نے کروٹ لی اور دین ودنیا کی تفریق قائم ہوگئی، ایک طرف لارڈ میکالے کا نظام تعلیم اپنا سکہ جمانے میں کامیاب رہا جس کے نتیجہ میں **واذا رأو تجارة أو لهو انفضوا اليها وتركوك قائما** کا منظر اہل دین کے کے لئے پریشان کن ہوگیا تو دوسری طرف مدارس کا وہ نظام قائم ہوگیا جس کی محدود افادیت سے کسی کو انکار نہیں، لیکن امت کی مجموعی ضرورت ان سے نہیں پوری ہوتی بلکہ نظام تعلیم کی اس تفریق سے امت کا سرمایہ جس طرح استعمال ہونا چاہئے اور اس کے نتیجہ میں قوم کا مستقبل جس طرح روشن ہونا چاہئے نہیں ہو رہا ہے، اب اس کا اعتراف بلکہ برملا اظہار اشد ضروری ہے۔

ہم نے مارچ کے اداریہ میں یہ بات بالکل واضح کی تھی کہ امت کو اب توحیدی نظام ونصاب تعلیم کی ضرورت ہے، اس کے بغیر صورت حال پر قابو پانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے، اس ضد پر ڈٹے رہنا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہی بہتر اور وہی افضل ہے اور یہ دعوی اس طرح کرنا گویا ہمارا اختیار کردہ نظام ونصاب منزل من اللہ ہو، تاریخ سے آنکھیں چرانے اور زمانہ کے تقاضوں سے منہ موڑ لینے کے مرادف ہے، ریت کے طوفان میں شتر مرغ گردن جھکا لے اور سمجھے کہ وہ محفوظ ہے تو اسے حماقت کے علاوہ اور کیا نام دیا جائے گا، نصاب ونظام تعلیم کے تغیر کا یہ عمل تاریخ کے ہر دور کا حصہ رہا ہے، تغیرات کے اس دور میں اس سے پہلوتہی اختیار کرنے پر حضرت مولانا علی میاںؒ نے ان الفاظ میں حیرت واستعجاب کا اظہار کیا ہے ''جو نصاب تعلیم ہندوستان میں برابر بدلتا رہا اور تغیر وترقی کے منازل طے کرتا رہا اس کا ایسے عہد میں جو سب سے زیادہ پر از انقلابات ہے نہ بدلنا ایک غیر معقول اور ایک غیر طبعی فعل ہے، علمی

تاریخ کا یہ ایک عجیب واقعہ ہے کہ اس نصاب کی زندگی میں وقوف وجمود کا سب سے طویل عہد وہ ہے جو سب سے زیادہ تغیر وانقلابات کا طالب ہے"۔

عرصہ ہائے دراز قبل حضرت مولانا یوسف بنوریؒ نے مدارس عربیہ کے نصاب میں ترمیم واصلاح کی غرض سے ایک مضمون سپرد قلم فرمایا تھا جس کی تمہید کچھ اس طرح تھی "عرصہ دراز سے دینی حلقوں میں مسئلہ نصاب تعلیم زیر بحث ہے اور شدت سے یہ احساس ہورہا ہے کہ موجودہ مدارس دینیہ کا مروجہ نصاب قابل ترمیم ہے اور مسائل حاضرہ کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے یہ نصاب کافی نہیں، امت کے مصالح اور وقت کے تقاضے اس سے پورے نہیں ہوسکتے"۔

اس سے کس کو انکار کی جرأت کہ علم حقیقی قرآن وسنت کا ہی علم ہے، لیکن قرآن ہی نے واعدوا لهم مااستطعتم من قوة کہہ کر علوم ضروریہ کو فرض کفایہ قرار دے دیا ہے، سوال یہ ہے کہ موجودہ عہد میں وہ کون سی چیزیں ہیں جن کی ذاتی زندگی میں ہمیں ضرورت ہے، ملکی نظام سنبھالنے کے لئے جن کی ضرورت ہے، امت کے استحکام کے لئے جن کا حصول ضروری ہے، قائد قوم کو قیادت کے لئے جن کی ضرورت ہے، کیا مدارس اسلامیہ ان تمام ضرورتوں کو پورا کررہے ہیں، کیا مسلم انتظام وانصرام میں چلنے والے کالج ویونیورسٹیز سے پیٹ پوجا اور غلامی کے علاوہ کوئی ایسی ذہنیت وجود میں آرہی ہے جس سے امت کو فائدہ پہنچ رہا ہو، جب ان سارے سوالات کے جواب نفی میں ہیں، تو حقائق سے صرف نظر کرتے ہوئے کامیابیوں کے گن تو گائے جاسکتے ہیں لیکن سچائی یہی ہے کہ ہم ضروری وغیر ضروری میں فرق نہ کرسکے، ہم نے تغیرات زمانہ سے منہ موڑ لیا اور نتیجہ میں ہم شاہراہ حیات سے بچھڑ گئے۔

تاریخ کے کسی دور میں علوم کی ایسی تقسیم نہیں تھی جس کا مظاہرہ اس دور میں ہورہا ہے، اسلام کی بنیادی تعلیم سب کو دی جاتی تھی، پھر ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق حلقہائے اختصاص سے استفادہ کیا کرتا تھا، یعنی ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر کے مطالبے کو سب پورا کرتے تھے، پھر کچھ لیتفقهوا فی الدین کے پیش نظر علوم شریعت میں غوطہ زنی کرتے، کچھ کو واعدوا لهم ما استطعتم من قوة کی فکر دامن گیر ہوجاتی اور کچھ وعلم آدم الاسماء کی وسعتوں میں کھوجاتے، اقرأ باسم ربك کا یہی تو پیغام ہے کہ رب کائنات کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے کائنات کی تہوں کو کھنگالا جائے، تاریخ شہادت دیتی ہے کہ مسلمانوں نے جب تک یہ انداز اپنایا ہے وہ بڑی حد تک قیادت کے منصب پر فائز رہے ہیں۔

جب سے اس غیر ضروری تقسیم کا رواج ہوا تب سے سطحیت کے مارے کچھ ایسے لوگ بھی وجود میں آئے جو علوم وفنون کو بھی حقارت آمیز نظروں سے دیکھنے لگے، قدیم وجدید کی بے کار وسطحی بحثیں چھڑ دیں، علامہ سید سلیمان ندوی کا یہ بھرپور ومعنی خیز تبصرہ ملاحظہ کیجئے جو اس مزعومہ کو غلط ٹھہراتا ہے کہ کسی علم کو اپنا سمجھا جائے اور کسی کو اغیار کا۔

"ملک میں قدیم وجدید تعلیم یافتوں کی دو برابر کی جماعتیں قائم ہیں، ہمارا کام ان دونوں کے درمیان اتصال پیدا کرنا ہے

فریق اول کہتا ہے کہ علوم یورپ کی آمیزش سے تم علوم قدیم کے حرم اقدس کی توہین کرتے ہو۔ جدید فرقہ الزام دیتا ہے کہ پرانے علوم کو زندہ کرکے تم ہمارے پاؤں میں پھر وہی زنجیریں ڈالنا چاہتے ہو جس کو پچاس برس کی محنت میں ہم نے بڑی مشکل سے کاٹا ہے، حقیقت حال پر نظر ہو تو دونوں پر اپنی غلطی آپ منکشف ہو جائے، یورپ کے علوم قدیم علوم کی معصومیت میں رخنہ انداز نہیں، بلکہ اس کے حسن و جمال کی افزائش کا سامان ہیں۔ دوسرے فریق سے کہنا ہے کہ اسلاف کے متروکہ علوم کو ذرا صیقل کرکے دیکھو۔ زنجیر پا نہیں تمہارے پائے کمال کا خلخال ہے، ورنہ سچ یہ ہے کہ تم یورپ دیس میں غریب ونادار والدین کی وہ بیٹی ہو جو صرف سسرال کی دولت پر نازاں ہے"۔

جو بے چارے بہت سے علوم کو غیر ضروری سمجھتے ہیں یا جنھیں ضد ہے کہ علم تو بس علم حقیقی ہے (اس سے کسی صاحب عقل کو انکار بھی نہیں) اس لئے ہم تو بس اسی پر توجہ مرکوز رکھیں گے، گویا وہ امت کی مذہبی ضرورت کو تو پورا کریں گے مگر ضروریات زندگی سے انھیں کوئی سروکار نہیں، راقم کی نظر میں یہ ضد اور ہٹ از خود تفقہ فی الدین کے خلاف ہے، اس لئے کہ تفقہ فی الدین تو وہ ہے جس کی روشنی میں شاہ ولی اللہؒ نے نظام حیات کے مکمل خاکہ کو حجۃ اللہ البالغہ میں پیش کیا ہے، جس سے یہ سمجھنا مشکل ہی نہیں کہ تفقہ فی الدین یعنی بصیرت کے حصول سے انسان کی نظر ہر جانب پڑتی ہے یہ الگ بات کہ ترجیحات بدلتی رہتی ہیں، حیرت ہے کہ لوگ بڑی آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ مدرسوں میں چار فیصد پڑھتے ہیں انھیں پڑھنے دو، یعنی ہمارا عمل امت کے صرف چار فیصد افراد کو کارآمد بنانے تک محدود ہے، باقی ۹۶ فیصد آزاد ہیں کہ وہ جس طرح کے نظام کو چاہیں اپنائیں، خواہ اس کی بدولت وہ فکری ارتداد کا ہی شکار کیوں نہ ہو جائیں، یہاں امام غزالیؒ کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے جس میں وہ طب کو فرض کفایہ قرار دیتے ہیں، مسئلہ صرف طب کا نہیں، یہ تو ایک مثال ہے، اقتباس کو اس کے وسیع تناظر میں پڑھئے۔

"اگر کسی فقیہ سے ان مضامین (صبر وشکر، خوف ورجاء وغیرہ یا بغض وحسد کینہ، ناشکری، دغا فریب وغیرہ) میں سے کسی کی بابت حتی کہ اخلاص وتوکل اور ریا سے بچنے کے طریقوں کے متعلق سوال کیا جائے جس کا جاننا اس کے لئے فرض عین ہے، اور اس کی طرف سے غفلت کرنے میں آخرت کی تباہی کا خطرہ ہے تو وہ جواب نہ دے سکے گا، اور اگر آپ لعان وظہار، سبق رمی کو دریافت کریں تو وہ ایسی ایسی باریک جزئیات کے دفتر سنا دے گا، جس کی ضرورت مدتوں پیش نہیں آتی، اور اگر کبھی ضرورت پیش آجائے تو شہر میں ان کے متعلق فتوی دینے والا، اور بتانے والا ہر وقت موجود ہے، لیکن یہ عالم دن رات انہی جزئیات کے سلسلہ میں محنت کرتا رہے گا اور ان کے حفظ ودرس میں مشغول رہے گا اور اس چیز سے غفلت برتے گا، جو دینی حیثیت سے اس کے لئے ضروری ہے، اگر اس سے کبھی اس بارہ میں سوال ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں اس لئے مشغول ہوں کہ وہ علم دین ہے اور فرض کفایہ ہے اور وہ اس کے تعلیم وتعلم کے بارہ میں اپنے کو بھی مغالطہ دیتا ہے اور دوسروں کو بھی، حالانکہ سمجھ دار آدمی خوب جانتا ہے کہ اگر اس کا مقصد فرض کفایہ کے حق کو ادا کرنا ہو، اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ہوتا تو وہ اس فرض کفایہ پر فرض عین کو مقدم رکھتا، بلکہ

دوسرے فرض کفایہ بھی ہیں جن کو مقدم ہونا چاہئے مثلاً کتنے شہر ہیں جن میں صرف غیر مسلم طبیب ہیں جن کی شہادت احکام فقہ میں قبول نہیں کی جاسکتی، لیکن ہم نہیں دیکھتے کہ کوئی عالم (اس کمی اور ضرورت کو محسوس کرے) علم طب کی طرف توجہ کرتا ہو، اس کے بالمقابل علم فقہ بالخصوص خلافیات وجدلیات پر طلبہ ٹوٹ پڑتے ہیں، حالانکہ شہر ایسے علماء سے بھرا ہوا ہے جن کا مشغلہ فتوی نویسی اور مسئلہ بتانا ہے، میرے سمجھ میں نہیں آتا کہ علماء دین ایسے فرض کفایہ میں مشغول ہونے کو کیسے درست سمجھتے ہیں جس کو ایک جماعت کی جماعت سنبھالے ہوئے ہے اور ایسے فرض کو انھوں نے کیسے چھوڑ رکھا ہے جس کی طرف کوئی توجہ کرنے والا نہیں، کیا اس کا سبب اس کے علاوہ اور کچھ ہے کہ طب کے ذریعہ سے اوقاف کی تولیت، وصیتوں کی تنفیذ اور یتیموں کے مال کی نگرانی وانتظام اور منصب قضاء وافتاء پر تقرر اور ہمعصروں اور ہمچشموں میں فوقیت وامتیاز اور دشمنوں اور حریفوں پر حکومت وغلبہ حاصل ہونے کا کوئی امکان نہیں"۔

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"کوئی شہر بھی ایسا نہیں ہے کہ جہاں کچھ ایسے کام نہ ہوں، جو فرض کفایہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ان کی طرف توجہ کرنے والا کوئی نہیں، اور علماء کو ان کی طرف مطلق التفات نہیں، زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ایک طب ہی کو لیجئے کہ اکثر اسلامی شہروں میں مسلمان طبیب موجود نہیں، جن کی شہادت شرعی امور میں معتبر ہو، علماء اس مشغلہ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے، اس طرح سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی فرض کفایہ ہے۔ (لیکن متروک ہورہا ہے)"۔

عجیب بات یہ ہے کہ جب نصاب میں ترمیم کی بات ہوتی ہے تو اہل مدارس یوں چیں بہ جبیں ہوجاتے ہیں گویا ان مدارس کو ڈھانے اور ان کی شناخت کو ختم کرنے کی بات کہہ دی گئی، ہر سمت سے یہی آواز آتی ہے، اسکول والوں سے کیوں نہیں کہتے کہ نصاب ونظام تبدیل کریں، یا یوں کہا جاتا ہے کہ جو جہاں کرسکتا ہو کرلے، بات درحقیقت یہ ہے کہ اصلاح وترمیم کے اہل مدارس اولین مخاطب اس لئے ہیں کہ انہیں "اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند وجولاں" کا دعوی ہے "کرسکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت" کے وہ معترف ہیں، تفقہ فی الدین کے راز سے وہی واقف ہیں، قیادت کا وہ خود کو حقدار سمجھتے ہیں، ان ارید الا الاصلاح کے وہ نعرے بلند کرتے ہیں تو مطالبہ بھی پہلے پہل ان ہی سے ہے اور اس لئے ہے کہ امت کا جو بڑا طبقہ مبادیات سے محروم ہے، اور دینی اداروں کی افادیت کا منکر اور بقول مولانا بنوریؒ "بعض غیر سنجیدہ دماغ تو ان علمی درس گاہوں کے وجود کو بھی غیر ضروری سمجھتے ہیں" اس طبقہ تک دینی تعلیمات کو پہنچانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ نصاب ونظام میں ایسی ترمیم کی جائے کہ یہ طبقہ لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کی طرف دیوانہ وار بھاگنے کے بجائے اسلامی نظام تعلیم کی طرف للچائی ہوئی نظروں کے ساتھ لپکے، یہ کوئی آج کی بات نہیں بلکہ قصہ قدیم ہے، مولانا گیلانیؒ نے اس صورت حال کو اپنی مشہور کتاب "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت" میں، جابجا نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں "ادھر تعلیم کا نظام بدلا اور معمولی کشمکش کے بعد بڑے بڑے علماء وفضلاء مشائخ

وصوفیاء کی اولاد کالجوں میں جا کر بھر گئی، محمد رسول اللہ ﷺ کے قرآن اور ان کی حدیث کو علم وفضل کے ان ہی خانوادوں نے صرف اسی لئے تنہا چھوڑ دیا کہ مسلمانوں کے پسماندہ غریب خاندان کے بچے ان کو پڑھ پڑھا لیں گے، اور یہ تو میں کہتا ہوں ورنہ سادات کرام وصوفیائے عظام کے ان تعلیم یافتہ صاحبزادوں کے سامنے تو یہ بھی نہیں ہے، عموماً قوم کی ایک بڑی تعداد ان کے نزدیک عربی مدارس کے گورکھ دھندوں میں الجھ کر توانائیوں کے عظیم ذخیرہ کو برباد کردیں گے''۔

دوسری ایک حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''پس جو کچھ دیکھا جارہا ہے اگر مولانا غلام علی آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے دوسوسال پہلے بھی یہی صورت پیش آگئی کہ: شریفوں کا کام پریشانی کی نذر ہوگیا، اور معاش کی پریشانی نے ان لوگوں کو کسب علم سے محروم رکھا اور سپہ گری کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کیا، چنانچہ درس وتدریس اور طلب علم کا رواج پہلے جیسا نہ رہا، اور مدارس جو پرانے زمانہ سے علم وفضل کے گہوارے تھے، ویران ہوگئے اور ارباب کمال کی مجلسیں تباہ وبرباد ہوگئیں۔

تو ظاہر ہے کہ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی، معاش کا اضطرار، خواص کے لئے نہ سہی لیکن عوام کے لئے یقیناً اضطرار کی بدترین صورت ہے، خصوصاً کھاتے پیتے، خوش حال، خوش باش گھرانوں کے لئے یہ مصیبت دوہری مصیبت بن جاتی ہے، جس زندگی کے پشتہا پشت سے آبائی رسم ورواج کے زیراثر وہ عادی ہوتے ہیں، اچانک اس سے جدا ہوجانا ان کے لئے گویا موت ہوتی ہے، انگریزی تعلیم کے رواج کے بعد بجائے غرباء کے مسلمانوں کے متوسط طبقات کا رجحان جو اس تعلیم کی طرف زیادہ بڑھا اس کی یہی وجہ تھی، عربی مدارس کی تعلیم اس زندگی کو واپس نہیں دے سکتی تھی، جس کے وہ متلاشی تھے، ملی یا نہیں ملی، لیکن اسی زندگی کی توقع میں مسلمانوں کا یہ طبقہ کالجوں میں پل پڑا، اسوقت امت کے وہ غرباء کام آگئے جن کے لئے عربی مدارس کی تعلیم آج معاشی اور جاہی فلاح وبہبود کا ذریعہ بنی ہوئی ہے، کم ازکم موجودہ معاشی سطح سے تو یہ تعلیم ان کو اوپر کھینچ لیتی ہے''۔

اب ظاہر ہے کہ اگر اس صورتحال کا مقابلہ نہ کیا گیا تو یہ جو ۴۔۵ فیصد کی تعداد ہے یہ بھی گھٹتی جائے گی اور یوں بھی گھٹ رہی ہے کہ جزوی تبدیلیوں نے انھیں مزید راستے فراہم کردیئے اور ان راستوں پر چل کر ان کا حال یہ ہوا کہ ان کو اپنے آپ سے اور مدارس کی نسبت سے نفرت ہونے لگی اور بسا اوقات تو وہ اپنے آپ پر لعنت بھیجنے لگے، اور لعنت کی اس سے بدترین قسم کیا ہوگی کہ آدمی خود پر لعنت بھیجے، آج صورت حال یہ ہوتی جارہی ہے کہ ان ۴۔۵ فیصد فارغین کی بھی ایک بڑی تعداد اپنا مقصد اپنا بھیس اور اپنا راستہ محض ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے تبدیل کرلیتی ہے۔

رہی دوسری بات کہ جو جہاں تبدیلی کرسکے کرلے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ جزوی تبدیلیوں سے کیا حاصل اور پھر

چھوٹے لوگوں کی اتباع زمانہ کب کرتا ہے، انسانی اور بالخصوص ہندوستانی مزاج پر اکابرین اور بڑے اداروں کا ہی سکہ چلتا ہے اور یہ تو تاریخ کا مسلمہ اصول ہے کہ جو بڑا ہوتا ہے، جو غالب ہوتا ہے، جو طاقتور ہوتا ہے اسی کی اتباع کی جاتی ہے، اسی کے تہذیب وتمدن کا چلن ہوتا ہے، آج امریکہ سے لاکھ نفرت کا اظہار کیا جائے لیکن اس کے نظام سے کون سا ملک محفوظ اور اس کے تہذیبی رویوں کو قبول کرنے سے کتنے گھرانے باقی بچے ہیں، ٹھیک اسی طرح جب تک ہمارے بڑے بڑے ادارے اور اکابر ودانشوران ملت اس سمت قدم نہیں بڑھائیں گے قوم کی یہ شدید ضرورت یوں ہی باقی رہے گی اور قوم اغیار کے ہاتھوں میں یرغمال بنی رہے گی، غلامانہ ذہنیت اور فاسد نظام تعلیم ایک بڑے طبقہ کو ملت بیزار ہی نہیں مذہب بیزار بھی بناتا رہے گا اور ایک چھوٹی سی جماعت اپنے شعور کے باوجود کسمپرسی کی حالت میں معاشرے سے الگ تھلگ پڑی رہے گی۔

اگر آپ پوچھتے ہیں کہ نصاب ونظام تعلیم کیا ہو، تو عرض ہے کہ نصاب ونظام وحدانی ہو، وہ جو ہماری تیرہ سوسالہ تاریخ میں رہا ہے، وہ ہو جس کو مسلمانوں نے سینہ سے لگائے رکھا، جس کے سبب وہ یورپ کے لئے معلم اول ثابت ہوئے، ابھی مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی ایک تقریر سنی، پھر وہ نقل ہو کر مضمون کی صورت میں آگئی، حیرت ہوئی یہ سن کر کہ مولانا نے فرمایا کہ مفتی شفیع صاحبؒ نے پاکستان بنتے ہی فرمایا تھا کہ ہمیں دیوبند، ندوہ اور علیگڑھ کے علاوہ ایک چوتھے نظام تعلیم کی ضرورت ہے، ظاہر ہے کہ یہ وہ نظام تعلیم تھا جس سے دینی شعور رکھنے والے ایسے اسلام پسند افراد کار کی کھیپ نکلے جو نظام حیات اور کاروبار کائنات کی کھیون ہار بن سکے، مولانا زاہد الراشدی صاحب نے ایک خطاب میں فرمایا کہ بالفرض اگر پاکستان میں ''اسلامی نظام'' کا مطالبہ پورا ہو تو کیا ہم اہل مدارس اس کی ذمہ داری کو پورا کر سکیں گے، بلکہ اس سے آگے کی بات فرمائی کہ اگر صرف اسلام کا نظام قضاء پورے ملک کے ہر ضلع میں نافذ ہو جائے تو کیا ہمیں اتنے قاضی میسر آئیں گے، ظاہر ہے ہم مدارس میں فقہ کی تدریس کے ذمہ داروں کی طرف دیکھیں گے، بالفرض اگر وہ سب کے سب قضاء کی ذمہ داری سنبھالنے کے لائق ہوں اور ان کو یہ کام سپرد کر دیا جائے تو پھر فقہ کی تدریس کون کرے گا۔

اسی طرح معاشرہ میں پائی جانے والی کشمکش اور دن بدن بد سے بدتر ہوتے ہوئے حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مفکر اسلام مولانا علی میاںؒ نے بار بار یہ بات ارشاد فرمائی کہ اس اضطراب کی اصل وجہ یہ ہے کہ جن کے پاس دینی شعور ہے وہ زمام کار سنبھالنے کے اہل نہیں اور جن کے ہاتھ میں نظام حیات ہے، وہ دینی شعور سے عاری ہیں، اس صورت حال کو بدلنے کی صرف ایک صورت ہے کہ نصاب ونظام میں ایسی ترمیم کی جائے جو نصوص کی روشنی میں اسلامی رنگ میں رنگا ہوا ہو، صبغة اللّٰه ومن احسن من اللّٰه صبغة ، علوم ضروریہ کا اگر اسلامائیزیشن کر دیا جائے اور اس کے فارغین کو اگر فکری طور پر مسلمان بنا دیا جائے تو کون سی قباحت در آئے گی، صحیح بات یہ ہے کہ یہی مقصود ومطلوب ہے اور فی زمانہ اسی کی شدید ضرورت ہے، اور اس کے کامیاب تجربے بھی ہوئے ہیں، ہمارے نصاب ونظام کا مزاج کیا ہو اس کی نشاندہی کرتے ہوئے مولانا سید سلمان الحسینی صاحب کا یہ خوبصورت ومعنی خیز اقتباس نقل کئے بغیر رہا نہیں جاتا۔

”یہ حقیقت ہے کہ اسلامی نظام تعلیم کا خاکہ ﴿اقرأ باسم ربك الذی خلقك ﴾ اور ﴿یتلو علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة ﴾ سے تیار ہوا، آیات قرآنیہ نے اس نظام کو دنیائے انسانیت کے سامنے پیش کیا، اور صاحب قرآن نبی آخر الزماں ﷺ نے اس کی تشریح فرمائی، اس نظام ونصاب تعلیم سے جو فارغین تیار ہوئے، وہ صحابہؓ، تابعین، اتباع تابعین، علماء ربانیین، مجددین، مصلحین، وغیرہ کہلائے، یہ اپنے تخصصات کے اعتبار سے، متکلمین، مفسرین، محدثین، فقہا، واصحاب افتاء وقضاء، اطباء، ہیئت، فلکیات ریاضیات اور طبعیات کے ماہرین، منتظمین، والیان ممالک، امراء المؤمنین اور خلفائے راشدین وملوک، شاہان عادلین کے القاب واوصاف سے معروف ہوئے۔ ﴿وعلم آدم الاسماء ﴾ نے علوم اسلامی کی وسعت وپہنائیوں کا پتہ دیا تو ﴿لیتفقهو فی الدین ﴾ نے علوم اسلامیہ کی گہرائیوں کا اشارہ دیا، قدیم وجدید، دینی ودنیاوی کی حدبندیوں سے گریزاں، اسلامی نظام تعلیم، زمان ومکان کی تنگنائیوں سے گزر کر لامکاں تک پہونچا، مسلمان اپنے دور عروج میں علوم کی بے جا تقسیم کے پیچھے نہ پڑے، ضرورت کی ہر چیز، ہر نفع بخش وسودمند علم کی تحصیل کو انہوں نے میراث نبوی سمجھا، اور بے جا، فضول، لغو اور غیر ضروری بلکہ نقصان دہ چیزوں سے ہمیشہ پرہیز کیا“۔

ملت کے عروج کی ضمانت اور عظمت رفتہ کی بحالی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ ایک مرتبہ پھر وہ وحدانی نظام تعلیم برپا کیا جائے جس میں دسویں جماعت تک عصری مضامین اور دینی شعور کا حسین امتزاج ہو، اس کے بعد مدارس اسلامیہ تفقہ فی الدین کی خدمت انجام دیں اور دیگر شعبوں میں جانے والے فهل من مدکر کی فکر سے لیس ہو کر دیگر اداروں میں جائیں۔

ظاہر ہے کہ لارڈ میکالے کے نظام تعلیم نے ان کا یہ حال بنایا ہے ﴿واذا دعوا الی الله ورسوله لیحکم بینهم اذا فریق منهم معرضون وإن یکن لهم الحق یاتوا الیه مذعنین ﴾ لیکن اسلام کا وحدانی نظام تعلیم انھیں اس فکر کا حامل بنا سکتا ہے، انما کان قول المؤمنین اذا دعوا الی الله ورسوله لیحکم بینهم ان یقولوا سمعنا واطعنا واولئك هم المفلحون ومن یطع الله ورسوله ویخش الله فاولئك هم الفائزون۔ میں ان سطروں کو مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کے اس اقتباس پر ختم کرتا ہوں۔

”میں یہی پوچھنا چاہتا ہوں کہ آج جس حال میں اس ملک کے بلکہ سارے جہاں کے مسلمان تعلیمی نصاب کی اس دوعملی کی وجہ سے گرفتار ہیں کیا یہ کوئی خوشگوار صورت ہے اور اس کی مستحق ہے کہ اس کو باقی رکھا جائے، کیا عوام کو علماء اور تعلیم یافتوں یا لیڈروں اور ملانوں کے قدموں کی ٹھوکر میں اسی طرح ڈالے رکھنا کسی اچھے انجام کی ضمانت اپنے اندر رکھتا ہے؟ کشمکش کی یہ ناگوار صورت اگر اس قابل ہے کہ جس طرح ممکن ہو اس کو ختم کیا جائے، تو پھر لوگوں نے ان بزرگوں کی کیوں قیمت نہیں پہچانی جنھوں نے تیرہ سو سال کی اس طویل مدت میں علم کی اس دوعملی اور تقسیم کو شدت کے ساتھ روکے رکھا، لوگ سوچتے نہیں ہیں، ورنہ میں مسلمانوں کے چند اہم کارناموں میں ان کا ایک بڑا کارنامہ تعلیمی نصاب کی وحدت کو بھی سمجھتا ہوں، تیرہ سو سال کی تاریخ گواہ ہے، کہ ان میں وہی تعلیم یافتہ بھی تھے، اور وہی علماء تھے، جنہیں آج تعلیم یافتہ کہا جاتا ہے، فلسفی بھی پیدا ہو رہے تھے اور ریاضی داں بھی، حکیم بھی، مہندس بھی، محدث بھی، مفسر بھی، طبیب بھی، شاعر بھی، ادیب بھی، صوفی بھی، لیکن یہ کیسی عجیب بات تھی کہ تعلیم کا ایک نظام تھا، جس سے یہ ساری مختلف پیداواریں نکل رہی تھیں“۔

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

خاص تحریر

جامع اور مؤثر نظام تعلیم کی ضرورت

مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ (پاکستان)

نوٹ:۔نظام ونصاب کے سلسلہ میں مدت سے آواز لگائی جارہی ھے ، الحمد لله اب اس سلسله میں لوگ عملی اقدامات بھی کر رھے ھیں ، یہ مفتی صاحب دامت برکاتھم کی غالبا پچھلے ماہ کی تقریر ھے جو مضمون کی شکل میں واٹساپ پر موصول ھوئی ، یہ جان کر حیرت کی انتھا نہ رھی کہ جو ھم آج سوچ رھے ھیں حضرت مفتی شفیع صاحبؒ سپوت دیو بند نے اسے بھت پھلے سوچا تھا ،موجودہ تناظر میں مفتی صاحب کی یہ تقریر بڑی اھمیت کی حامل ھے نظارۂ عام کی غرض سے نذر قارئین ھے (مدیر)

حضرت والد ماجد قدس سرہ نے ایک موقع پر پاکستان کے عمومی نظام تعلیم پر تبصرہ کرتے ہوئے ارکان حکومت سے فرمایا تھا کہ پاکستان بننے کے بعد ہمیں درحقیقت ایک نئے نظام تعلیم کی ضرورت ہے ،پاکستان بننے سے پہلے تین بڑے نظام ہندوستان کے اندر معروف تھے ،ایک دارالعلوم دیوبند کا نظام تعلیم ایک مسلم یونیورسٹی کا نظام تعلیم اور ایک دارالعلوم ندوۃ العلماء کا نظام تعلیم ،حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ نے تقریباً ۱۹۵۰ء میں ارشاد فرمایا تھا کہ پاکستان بننے کے بعد در حقیقت ہمیں ملکی سطح پر نہ علی گڑھ کے نظام تعلیم کی ضرورت ہے ،نہ ندوہ کے نظام تعلیم کی ضرورت ہے اور نہ دیوبند کے ، بلکہ ہمیں ایک چوتھے نظام تعلیم کی ضرورت ہے، جو اسلاف کی تاریخ سے مربوط چلا آرہا ہے ،بظاہر سننے والوں کو یہ بات بڑی تعجب خیز معلوم ہوتی تھی کہ دارالعلوم دیوبند کا مفتی اعظم اور دارالعلوم دیوبند کا ایک سپوت یہ کہے کہ ہمیں پاکستان میں ملکی سطح پر دیوبند کے نظام تعلیم کی ضرورت نہیں ، بلکہ ایک نئے نظام تعلیم کی ضرورت ہے، یہ تین نظام تعلیم جو انڈیا میں رائج تھے ان کے بارے میں مرحوم اکبرالہ آبادی نے یہ تبصرہ کیا تھا کہ ؎

قلب یقظاں ہے مثال دیوبند
اور ندوہ ہے زبان ہوشمند
اب علی گڑھ کی بھی تم تمثیل لو
اک معزز پیٹ تم اس کو کہو

حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ نے جو بات ارشاد فرمائی درحقیقت وہ بہت گہری بات ہے،اور اس کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں ہمارے یہاں بڑی بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں۔

یہ تین نظام تعلیم جو ہندوستان کے اندر جاری تھے وہ در حقیقت انگریز کے لائے ہوئے نظام تعلیم کا ایک نتیجہ تھے،انگریز کی لائی ہوئی سازشوں کا ردعمل تھے،ورنہ اس سے پہلے اگر آپ مسلمانوں کے صدیوں پر محیط نظام تعلیم پر غور کریں اور اس کو دیکھیں تو اس میں مدرسہ اور اسکول کی کوئی تفریق نہیں ملے گی، وہاں شروع سے لے کر استعمار کے زمانہ تک مسلسل یہ صورتحال رہی ہے کہ مدارس یا جامعات بیک وقت دینی تعلیم بھی دیتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی تعلیم بھی دی جاتی تھی،اس لئے کہ جہاں تک عالم بننے کا تعلق ہے

تو عالم بننا ہر آدمی کے لئے فرض عین نہیں، بلکہ فرض کفایہ ہے، یعنی اگر ضرورت کے مطابق کسی بستی میں، کسی ملک میں علماء تیار ہوجائیں تو باقی سب لوگوں کی کی طرف سے فریضہ ادا ہوجاتا ہے، لیکن دین کی بنیادی معلومات حاصل کرنا ہر مسلمان کے ذمہ فرض عین ہے۔

سابقہ ادوار میں قائم ان مدارس میں فرض عین کی تعلیم بلا امتیاز ہر شخص کو دی جاتی تھی، البتہ جس کو علم دین میں اختصاص حاصل کرنا ہوتا اس کے لئے مواقع میسر تھے، اور جو کسی عصری علم کے اندر اختصاص حاصل کرنا چاہتا، اس کے مواقع الگ دستیاب تھے۔

میں گذشتہ سال مراکش گیا تھا، اس کے ایک شہر کا نام فاس ہے، وہاں جامع القرویین کے نام سے ایک ادارہ ہے جو آج تک کام کررہا ہے، اگر ہم اسلامی تاریخ کی مشہور اسلامی جامعات کا جائزہ لیں تو چار اہم اسلامی جامعات ہماری تاریخ میں نظر آتی ہیں، ان میں سب سے پہلی جامعۃ القرویین ہے، دوسری تیونس کی جامعہ زیتونہ ہے، تیسری مصر کی جامعۃ الازہر ہے اور چوتھی دار العلوم دیوبند ہے، تاریخ کی ترتیب اس طرح ہے۔

اس میں سب سے پہلی یونیورسٹی جامعۃ القرویین جو فاس کے اندر قائم ہوئی وہ تیسری صدی ہجری کی یونیورسٹی ہے، اور اس تیسری صدی کی یونیورسٹی کے بارے میں تاریخ کے کتابچہ میں دعوی کیا گیا ہے اور ابھی تک اس کی کوئی تردید میرے سامنے نہیں آئی کہ یہ صرف عالم اسلام ہی کی نہیں، بلکہ ساری دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے، کیا معنی کہ! اس وقت جامعۃ القرویین کے اندر جو علوم پڑھائے جاتے تھے ان علوم میں اسلامی علوم، تفسیر، حدیث، فقہ اور اس کے ساتھ ساتھ طب، ریاضی، تاریخ، فلکیات سارے علوم جن کو آج عصری علوم کہا جاتا ہے وہ سارے علوم پڑھائے جاتے تھے، ابن خلدونؒ نے وہاں درس دیا، ابن رشدؒ نے وہاں درس دیا، قاضی عیاضؒ نے وہاں درس دیا، اسلاف کی ایک طویل فہرست ہے جنھوں نے وہاں درس دیا اور ان کی جگہیں آج بھی محفوظ ہیں کہ یہ جگہ وہ ہے جہاں ابن خلدون درس دیا کرتے تھے، یہ جگہ وہ ہے جہاں ابن رشد درس دیا کرتے تھے، یہ جگہ وہ ہے جہاں قاضی عیاضؒ نے درس دیا ہے، یہاں ابن عربی مالکی نے درس دیا ہے، یہ سب جگہیں محفوظ ہیں، یہ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے، مدارس تو چھوٹے چھوٹے ہر جگہ ہوں گے، لیکن جامع القرویین ایک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتی تھی، جس میں تمام عصری، دینی ودنیاوی علوم پڑھائے جاتے تھے، اور اس میں آج بھی اس زمانہ یعنی تیسری صدی اور چوتھی صدی کی جو سائنٹفک ایجادات ہیں ان کے نمونے رکھے ہوئے ہیں، کہ اس زمانہ میں اسی جامع القرویین سے لوگوں نے جو ایجادات کی ہیں، گھڑی وغیرہ، ان ایجادات کے نمونے آج بھی وہاں موجود ہیں۔

تصور کیجئے کہ یہ تیسری صدی ہجری کی یونیورسٹی ہے، اور اسلامی علوم کے بادشاہ بھی وہیں سے پیدا ہوئے، ابن رشد فلسفی وہیں سے پیدا ہوئے، اور وہیں سے بڑے بڑے سائنسداں بھی پیدا ہوئے، طریقہ یہ تھا کہ جتنا علم فرض عین ہے وہ تو سب کو اکٹھا دیا جاتا تھا، اور اس کے بعد اگر کسی کو علم دین کے اندر اختصاص حاصل کرنا ہے تو وہ علم دین کے دروس اسی جامع القرویین میں پڑھے گا، اور اسی میں ریاضی پڑھانے والا ہے تو ریاضی بھی وہاں پڑھا رہا ہوگا، طب پڑھانے والا ہے تو طب بھی وہاں پڑھا رہا ہوگا، یہ سارا کا سارا نظام اس طرح چلا۔

جامع القرویین اس طرح چلی، جامعہ زیتونہ اسی طرح چلی، اور جامع الازہر اسی طرح چلی، یہ تینوں یونیورسٹیاں ہی ہمارے قدیم ماضی کی یونیورسٹیاں ہیں، ان میں اس طرح تعلیم دی گئی کہ دینی اور عصری دونوں چیزیں اس طرح ساتھ ساتھ چلیں کہ ایک ہی چھت کے نیچے سارے علوم پڑھائے جاتے تھے۔

اس میں آپ یہ دیکھیں گے کہ قاضی عیاضؒ جو حدیث اور سنت کے امام ہیں ان کا حلیہ دیکھ لیجئے، اور ابن خلدون جو فلسفہ اور تاریخ کے امام ہیں ان کا حلیہ دیکھ لیجئے دونوں کو دیکھنے میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا کہ یہ دین کا عالم ہے اور یہ دنیا کا عالم ہے، ان

کا حلیہ، ان کی ثقافت، ان کا طرز زندگی، ان کا طرز کلام سب یکساں ہے، ہمارے جو مشہور سائنسداں گذرے ہیں فارابی، ابن رشد اور ابوریحان البیرونی، ان سب کا حلیہ دیکھ لیجئے، پھر محدثین اور فقہاء کا حلیہ دیکھ لیجئے، دونوں کا حلیہ ایک جیسا ہی نظر آئے گا۔

اگر وہ نماز پڑھتے ہیں تو یہ بھی نماز پڑھتے ہیں، اگر ان کو نماز کے مسائل معلوم ہیں تو ان کو بھی ضروری حد تک معلوم ہیں، اگر ان کو روزہ کے مسائل معلوم ہیں تو ان کو بھی معلوم ہیں، بنیادی تعلیمات جو ہر انسان کے لئے فرض عین ہیں وہ ہر انسان جانتا تھا، اور اس یونیورسٹی میں وہ ساری چیزیں پڑھائی جاتی تھیں۔

تفریق یہاں سے پیدا ہوئی کہ انگریز نے آکر ایک سازش کے تحت ایک ایسا نظام تعلیم جاری کیا جس سے دین کو دیس نکالا دے دیا گیا، اس وقت ہمارے اکابر مجبور ہوئے کہ وہ مسلمانوں کے دین کے تحفظ کے لئے کم از کم جو فرض کفایہ ہے اس کا تحفظ کرلیں، اور ایسے علماء پیدا کریں جو دینی علوم میں دسترس حاصل کرکے عام مسلمانوں کو دین سے آگاہ کریں، اور جو کام عام درس گاہوں کے کرنے کا تھا وہ خود انجام دے کر مسلمانوں کے دین کا تحفظ کریں، اس کے لئے انہوں نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا، جس نے الحمد للہ وہ عظیم خدمات انجام دیں جن کی تاریخ میں نظیر ملنی مشکل ہے۔

اگر پاکستان صحیح معنی میں اسلامی ریاست بنتا اور صحیح معنی میں اس کے اندر اسلامی احکام کا نفاذ ہوتا تو اس صورت میں بقول والد ماجد ملکی سطح کے نظام تعلیم کے لئے ہمیں نہ علی گڑھ کی ضرورت تھی، نہ ندوہ کی، نہ دارالعلوم دیوبند کی، ہمیں جامع القرویین کی ضرورت تھی، ہمیں جامع زیتونہ کی ضرورت تھی، جہاں سارے کے سارے علوم اکٹھے پڑھائے جائیں، اور سب دین کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں، چاہے وہ انجینئر ہو، چاہے وہ ڈاکٹر ہو، چاہے کسی بھی شعبۂ زندگی سے وابستہ ہو، وہ دین کے رنگ میں رنگا ہوا ہو، لیکن ایک ایسا نظام تعلیم لاکر ہم پر لاد دیا گیا جس نے ہمیں سوائے ذہنی غلامی کے کچھ نہ دیا، اکبر الہ آبادی نے صحیح کہا تھا ؎

اب علی گڑھ کی بھی تم تمثیل لو
اک معزز پیٹ تم اس کو کہو

صرف پیٹ بھرنے کا ایک راستہ نکالنے کے لئے یہ نظام تعلیم لایا گیا، اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی پوری تاریخ اور ورثہ کو تباہ کردیا گیا، نتیجہ یہ نکلا کہ آج اس نئے نظام تعلیم کے ذریعہ جو زبردست فرق واقع ہوئے، ان میں ایک تو یہ کہ جو فرد اس نظام تعلیم سے پیدا ہورہا ہے اس کو دین کے بنیادی فرائض کا بھی پتہ نہیں ہے، وہ نہیں جانتا کہ فرض عین کیا ہے، دوسرے اس طرح کے افکار مسلط کردئے گئے کہ اگر عقل اور ترقی چاہتے ہو تو اسکے لئے صرف اور صرف مغرب کی طرف دیکھنا ہوگا، تیسرے اس کی ثقافت بدل دی گئی، سب کے ذہن میں یہ بات بٹھادی گئی کہ اگر ترقی چاہتے ہو تو صرف مغربی افکار میں ملے گی، مغربی ماحول میں ملے گی، مغربی انداز میں ملے گی، اور افسوس یہ ہے کہ اس نئے نظام تعلیم سے جو گریجویٹ یا ڈاکٹر یا پروفیسر پیدا ہوتے ہیں وہ ہم جیسے طالب علموں پر روزانہ تنقید کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے اجتہاد کا دروازہ بند کردیا ہے، یہ اجتہاد نہیں کرتے۔

اجتہاد، فقہ، قرآن وسنت کے اندر تو بلاشبہ ممتاز علمی استعداد پر مبنی عجیب چیز تھی، لیکن دوسری طرف عصری تعلیمی اداروں میں ایک ایسی چیز تھی جس کے لئے اجتہاد کا دروازہ چاروں طرف چوپٹ کھلا ہوا تھا، وہ تھی سائنس، وہ تھی ٹیکنالوجی اور ریاضی، وہ تھے علوم عصریہ، ان میں تو کسی پر اجتہاد کا دروازہ بند نہیں تھا، علی گڑھ کے نظام تعلیم کے ذریعہ آپ نے کیوں ایسے مجتہد پیدا نہیں کئے جو مغرب کے سائنسدانوں کا مقابلہ کرسکتے اس میں آپ نے ایسے مجتہد کیوں پیدا نہیں کئے جو سائنسی تحقیقات میں اجتہاد کرکے طب میں نئے راستے نکالتے، جو فلکیات میں نئے راستے نکالتے، اجتہاد کا دروازہ جہاں چوپٹ کھلا ہوا تھا وہاں تو آپ نے کوئی قابل ذکر اجتہاد نہیں کیا، اور جہاں

قرآن وسنت کی پابندی ہے کہ قرآن وسنت کے حدود کے اندر رہ کر ہی اجتہاد کرنا ہوتا ہے وہاں آپ کو شکایت ہے کہ علماء کرام اجتہاد کیوں نہیں کرتے۔

ابھی کچھ دن پہلے مجھے کسی صاحب نے کلپ دکھایا، جس میں ایک نوتعلیم یافتہ صاحب ایک عالم دین سے یہ سوال کر رہے تھے کہ مولانا! یہ بتائیے کہ علماء کرام کی دینی خدمات اپنی جگہ، لیکن یہ کیا بات ہے کہ مسلمانوں میں عالمی سطح کا کوئی سائنسداں پیدا نہیں ہوا ،کوئی نئی ایجاد نہیں ہوئی، علماء کرام کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

بندۂ خدا! یہ سوال تو آپ اپنے آپ سے کرتے کہ ہمارے نظام تعلیم کے اندر کیا کوئی ایسا مجتہد ہوا جس نے کوئی نئی ایجاد کی ہو؟ لیکن وہاں تو دروازے اجتہاد کے اس طرح بند ہیں کہ جو انگریز نے کہہ دیا یا مغرب نے کہہ دیا بس وہ نظریہ ہے، اس نے جو دوا بتادی وہ دوا ہے، اس نے اگر کسی چیز کو صحت کے لئے مضر کہہ دیا تو وہ مضر ہے، ہر معاملہ میں اسی کی بات حرف آخر ہے، انڈہ کی زردی کو سالہا سال سے کہا جارہا تھا کہ یہ کولیسٹرول پیدا کرتی ہے اور امراض قلب کے لئے مضر ہوتی ہے، لیکن آج ہر ڈاکٹر یہ کہہ رہا ہے کہ انڈے کی زردی کھاؤ، اس سے کچھ نہیں ہوتا، کیوں؟ اس لئے کہ اب مغرب سے یہ پیغام آ گیا ہے، اس لئے آپ نے اس کو قبول کرلیا۔

ہمارے اس ملک کے اندر بے شمار جڑی بوٹیاں پھیلی ہوئی ہیں، ان پر بھی آپ نے تحقیق کی ہوتی، آپ نے کوئی نتیجہ نکالا ہوتا کہ یہ جڑی بوٹیاں کن امراض میں فائدہ مند ہوتی ہیں، نبی کریم ﷺ نے کلونجی کے فوائد بیان فرمائے تھے اسپر کوئی تحقیق کی ہوتی، وہاں تو اجتہاد کا دروازہ مکمل بند ہے، اور اس میں کسی تحقیق کا کوئی راستہ نہیں ہے، اور قرآن وسنت میں اجتہاد کا مطالبہ ہے، تو یہ ذہنی غلامی کا نتیجہ ہے، جس نے ہمیں اس نتیجہ تک پہنچایا۔

اس نظام تعلیم کا دوسرا نقصان یہ ہوا کہ اس نے تصورات بدل دئے، پہلے علم کا تصور اعلی تھا، جس کا مقصد معاشرے کی خدمت تھی مخلوق کی خدمت تھی، یہ اصل مقصود تھا، اس کے تحت اگر معاشی فوائد بھی حاصل ہوجائیں تو وہ ثانوی حیثیت رکھتے تھے، لیکن آج معاملہ الٹا ہو گیا ہے، علم کا مقصد صرف پیسہ کمانا ہے، علم کا مقصد یہ ہے کہ اتنا علم حاصل کرلو جس کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی جیب سے پیسے نکال سکو، تمہارا علم اس وقت کارآمد ہے جب تم لوگوں سے زیادہ سے زیادہ پیسے کماسکو، جو لوگ پڑھ رہے ہیں، گریجویشن کررہے ہیں، ماسٹر اور پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگریاں لے رہے ہیں ان کے ذہن پڑھ کر دیکھو، کیوں پڑھ رہے ہیں؟ اس لئے پڑھ رہے ہیں کہ کیریرا چھا ہو، اس لئے پڑھ رہے ہیں کہ اچھی ملازمتیں ملیں، اس لئے پڑھ رہے ہیں کہ پیسے زیادہ ملیں، تعلیم کی ساری ذہنیت بدل کر یہ کردی کہ علم کا مقصد پیسے کمانا ہے، معاشرہ کی کوئی خدمت کرنی ہے یا مخلوق کی کوئی خدمت کرنی ہے اس کا کوئی تصور اس موجودہ نظام تعلیم کے اندر نہیں ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر شخص پیسہ کمانے کی دوڑ میں لگا ہوا ہے، اس کو نہ وطن کی فکر ہے، نہ ملک وملت کی فکر ہے، نہ مخلوق کی خدمت کرنے کا کوئی جذبہ اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے، بلکہ دن ورات وہ اسی دوڑ دھوپ میں مگن ہے کہ پیسے زیادہ بننے چاہئیں، الا ماشاءاللہ، نتیجہ یہ کہ بدعنوانیاں پھیل رہی ہیں، مستثنیات ہر جگہ ہوتے ہیں، یہاں بھی ہیں، لیکن بحیثیت مجموعی موجودہ نظام تعلیم کے تحت جو لوگ تیار ہو رہے ہیں، بتائیے کہ انہوں نے مخلوق کی کتنی خدمت کی ہے، کتنے لوگوں کو فائدہ پہنچایا ہے، ہمیں تو پیغمبر انسانیت ﷺ نے یہ دعا تلقین فرمائی تھی: "اللهم لا تجعل الدنيا أكبر همنا ولا مبلغ علمنا ولا غاية رغبتنا" اے اللہ! دنیا کو ہمارے لئے ایسا نہ بنائیے کہ دھیان دنیا ہی کی طرف رہے، نہ ہمارے علم کا سارا مبلغ دنیا ہی ہو کر رہ جائے، اور نہ ہماری ساری رغبتوں اور شوق کا مرکز دنیا ہو کر رہ جائے، لیکن اس نظام تعلیم نے کایا پلٹ دی۔

تو درحقیقت حضرت والد ماجدؒ نے جو بات فرمائی تھی اس

کا منشا یہ ہے کہ استعمار کے بعد انگریز کی غلامی کے بعد جو کایا پلٹی ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ اس کو پلٹ کر دوبارہ اس طرف جائیں، جو راستہ جامع القرویین نے دکھایا، جو جامع زیتونہ نے دکھایا اور جو ابتدائی دور میں جامع ازہر نے دکھایا، ابتدائی دور کی بات اس لئے کر رہا ہوں کہ اب ان اداروں کو بھی استعمار کے زہر نے متاثر کر دیا ہے۔

پاکستان میں چونکہ حکومتی سطح پر وہ نظام قائم نہ ہو سکا، لہٰذا مجبوراً جو دار العلوم دیوبند کا نظام تھا کہ کم از کم علوم نبوت کا تحفظ تو ہو، اس غرض سے مدارس الحمد للہ قائم ہوئے، اور الحمد للہ انہوں نے نامساعد حالات میں عظیم خدمات انجام دیں، جب تک ہمیں ان حکمرانوں پر اور نظام حکومت پر اور ان کے بنائے ہوئے قوانین پر بھروسہ نہیں ہو جاتا، اور مستقبل قریب میں بھروسہ ہونے کی امید بھی نہیں ہے، اس وقت تک ہم ان مدارس کا تحفظ کریں گے، اور ان مدارس کو اسی طرح برقرار رکھیں گے جس طرح ہمارے اکابر نے دیوبند میں ان کی بنیاد قائم کی تھی، ان پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے، کیونکہ مسلمانوں کے دین کا تحفظ ان پر موقوف ہو گیا ہے، اس کے علاوہ اگر ملک کا مجموعی تعلیمی نظام درست ہو بھی جائے تو اختصاصی تعلیم گاہوں کی حیثیت سے ان کی ضرورت واہمیت بہر حال برقرار رہے گی، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ جو کام حکومتی سطح پر نہیں ہو سکا کہ عام نظام تعلیم میں دین سمویا ہوا ہو، وہ رفتہ رفتہ ہم اپنے مدارس کے ذریعے انجام دینے کی کوشش کریں، اور انہی مدارس کے ماحول میں عصری مضامین اس طرح پڑھانے کی کوشش کریں جو دین کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں، الحمد للہ پاکستان کے اندر دینی مدارس کی تعداد بقدر ضرورت اچھی ہو گئی ہے، لیکن یہ مدارس فرض کفایہ کی تعلیم دے رہے ہیں، ان کا اگر تناسب دیکھا جائے تو مشکل سے ایک فیصد ہوگا، لیکن ننانوے فیصد قوم کی آبادی جس نظام کے تحت تعلیم پا رہی ہے اس کی وجہ سے وہ ذہنی غلام بن رہی ہے، میں حراء فاؤنڈیشن کے اساتذہ اور معلمات سے یہ بات کہہ چکا ہوں اور کہتا رہتا ہوں کہ آپ کا اصل مقصد یہ ہے کہ خدا کے لئے ہماری اس نسل کو ذہنی غلامی سے نکالئے، آپ کو بچوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانی چاہئے کہ ہم الحمد للہ ایک آزاد قوم ہیں، ہم ایک آزاد سوچ رکھتے ہیں، ہم اپنے نبی کریم ﷺ کی سنت کی سوچ رکھتے ہیں، اور یہ جو ذہنی غلامی کا تصور پھیلایا گیا ہے کہ جو کچھ ہوگا وہ مغرب سے آئے گا اور مغربی افکار اس میں پروان چڑھیں گے خدا کے لئے نئی نسلوں کے ذہنوں سے اس تصور کو مٹائیے، اور ان کے اندر اسلامی ذہنیت پیدا کیجئے، اس مقصد کے لئے ہم نے یہ ادارہ قائم کیا، مغربی نظام میں کچھ چیزیں بری ہیں، کچھ چیزیں اچھی ہیں، اچھی چیزوں کو لے لو اور بری چیزوں کو پھینک دو، خذ ما صفا ودع ما کدر، اقبال مرحوم نے ایسے حسین تبصرے کئے ہیں جو قوم کے لئے مشعل راہ ہیں، مغرب کی جو ترقی کہیں سے کہیں پہنچی ہے، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کئی شعر کہے ہیں، جو ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہیں، وہ کہتے ہیں:

قوت مغرب نہ از چنگ ورباب
نے ز رقص دختران بے حجاب

مغرب کی طاقت نہ تو اس وجہ سے ہوئی کہ وہاں موسیقی کے آلات تھے، نہ اس وجہ سے ہوئی کہ وہاں بے پردہ عورتیں رقص کرتی تھیں۔

نے ز سحر ساحران لالہ روست
نے ز عریاں ساق و نے از قطع موست

نہ اس وجہ سے ہوئی کہ وہاں حسین عورتیں بہت پھرتی ہیں، انہوں نے ٹانگیں ننگی کر رکھی ہیں اور اپنے بال تراش رکھے ہیں، ترقی اس وجہ سے نہیں ہوئی۔

قوت افرنگ از علم وفن است

فرنگ کی اگر قوت ہوئی ہے تو وہ علم وفن میں محنت کرنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔

از ہمیں آتش چراغش روشن ست

اسی آگ سے اس کا چراغ روشن ہے۔

اور پھر آخر میں ایک خوبصورت شعر کہا ہے :۔

حکمت از قطع وبرید جامہ نیست

یعنی کپڑوں کی قطع وبرید سے اور تراش خراش سے حکمت حاصل نہیں ہوتی، کہ کوٹ پتلون پہن لیا تو ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ ہوگئے، اور اگر شلوار قمیص پہن لیا تو پسماندہ اور ترقی سے دور ہوگئے، کپڑوں کی تراش خراش سے حکمت نہیں آیا کرتی۔

مانع علم وہنر عمامہ نیست

اگر عمامہ پہن لو گے تو اس سے علم وہنر میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی، تم نے کن ظواہر کو یہ سمجھا ہوا ہے کہ مغرب کو ان سے قوت حاصل ہوئی ہے اور اس کے نتیجے میں اپنی نسلوں کو ان کے پیچھے چلا رہے ہو۔

حقیقت میں مغرب کو ترقی علم وہنر میں محنت کرنے سے حاصل ہوئی، تم اپنی دینی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے علم وہنر میں محنت کروگے تو تم بھی ترقی حاصل کرسکتے ہو، لیکن دنیا کا علم وہنر بے دین افکار پر موقوف نہیں ہے، نہ اس بات پر موقوف ہے کہ تم اپنے طرز زندگی کو بھی پوری طرح مغرب کے سانچے میں ڈھال لو، جیسا کہ تم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم علم وہنر کے میدان میں بھی آزاد سوچ سے محروم ہو، اسی حقیقت کو اقبال مرحوم نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ بیان فرمایا ہے، ان کے یہ اشعار ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہونے چاہئیں، وہ مغرب زدہ حضرات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

علم غیر آموختی، اندوختی

روئے خویش از غازہ اش افروختی

تم نے دوسروں کا علم حاصل کرکے اپنا سارا ذخیرہ اسی کو بنالیا ہے اور اپنے چہرے کو انہی کے غازے (سرخی) سے روشن کر رکھا ہے۔

ارجمندی از شعارش می بری

من نہ دانم، تو توئی یا دیگری

انہی کی امتیازی علامتیں اختیار کرکے فخر کرتے ہو، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم تم ہو، یا کوئی اور ہو۔

عقت تو زنجیرئی افکار غیر

در گلائے تو نفس از تار غیر

تمہاری عقل دوسروں کے افکار کی زنجیر میں بندھی ہوئی ہے، اور تمہارے گلے میں سانس بھی دوسروں کے تار سے آتا ہے۔

بر زبانت گفتگو ھا مستعار

در دل تو آزو ھا مستعار

تمہاری زبان پر جو گفتگو ہے وہ بھی دوسروں سے مانگی ہوئی ہے، اور تمہارے دل میں جو آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں وہ بھی مانگی ہوئی ہیں۔

آں نگاہش سر مازاغ البصر

سوئے قوم خویش باز آید اگر

وہ ذات گرامی ﷺ جس کی نگاہ کے بارے میں (قرآن نے فرمایا ہے کہ) وہ کبھی ٹیڑھی نہیں ہوئی، اگر اپنی قوم کے پاس دوبارہ تشریف لے آئے۔

لست منی گو ید ت مو لا ئے ما

وائے ما، اے وائے ما، اے وائے ما

تو وہ ہمارے مولیٰ تمہیں دیکھ کر یہ فرمائیں گے کہ ''تم میرے نہیں ہو''، ہائے ہماری محرومی، ہائے ہماری محرومی، ہائے ہماری محرومی۔

اس ہولناک انجام سے بچانے کے لئے ہمیں عصری علوم کی تعلیم کے لئے بھی ایسی درسگاہیں چاہئیں جو ہر فن کی اعلی تعلیم دیں، لیکن مغرب کی ذہنی غلامی سے آزاد ہو کر دیں، اپنی دینی روایات کو برقرار رکھ کر دیں۔

☆☆☆

پیام سیرت

ماں......یا......محمد؟

محمد فرید حبیب ندوی

ماں.........یا.......محمد؟؟
ایک عجیب اور مشکل ترین سوال تھا اس کے سامنے۔
اسے اس کی ماں کی طرف سے دو اختیارات ملے تھے، ان میں سے کسی ایک ہی کو اسے چننا تھا۔
ایک طرف اس کی وہ ماں تھی جس نے آغوش محبت میں اس کی پرورش کی تھی۔
جس نے اپنا من مار کر اس کی ہر خواہش پوری کی تھی۔
جس نے اسے بڑے ناز و نعم اور انتہائی لاڈ پیار سے پالا تھا۔
ماں کی ممتا پر یقیناً دنیا کی ہر شئی قربان کی جاسکتی ہے۔
اس لئے کہ دنیاوی نعمتوں میں اس کا کوئی بدل نہیں۔
ایک طرف اس کی یہ ماں تھی اور دوسری طرف اسلام تھا، اسلام کے پیغمبر محمد مصطفیٰ ﷺ تھے۔
ان دونوں میں سے کسی ایک ہی کو منتخب کرنا تھا اسے۔
انیس بیس سال کا نوجوان اور اتنا کٹھن امتحان!!
''اگر تو نے محمد کا ساتھ نہ چھوڑا تو میں بھوک پیاس سے جان دے دوں گی''
یہ ایک اور جملہ اس کے کانوں میں پڑتا ہے، اس کی ماں بھوک ہڑتال پر بیٹھ چکی تھی۔
کچھ بھی سہی، لیکن ماں تو ماں تھی، اسے بھوکا پیاسا مرتے کیسے دیکھا جاسکتا تھا، جس نے اسے زندگی بخشی تھی وہ خود اس کی موت کا سبب کیسے بن سکتا تھا۔
''ماں میں چاہتا ہوں کہ آپ کھائیں بھی اور پئیں بھی، لیکن میں محمد کی غلامی کا طوق اپنے گلے سے نہیں اتار سکتا''۔
چند سیکنڈوں میں اس نے مسئلہ کا تصفیہ کر دیا۔
مشکل ترین سوال کو چند لمحوں میں وہ حل کر بیٹھا۔
ایسی صورتحال جس میں پہاڑ دل انسان بھی لرز جائے۔
ایسا موقع جہاں فیصلہ کرنا بہادر دل لوگوں کے بھی بس سے باہر ہو۔
ایسی سچویشن جس میں بڑے بڑے قوت فیصلہ رکھنے والے حوصلہ کھو بیٹھیں۔
لیکن اس انیس بیس سال کے نوجوان نے یک دم فیصلہ سنا دیا، بے لاگ اور اٹل فیصلہ۔
جی ہاں! ماں کو چھوڑ دیا اس نے، اس کی ممتا سے محروم ہو گیا وہ۔

اس لئے کہ..........آج وہ ماں سے بھی بڑھ کر
پیار.......ممتا سے بھی زیادہ دلار.......اور دنیا کی سب سے
بڑی سچائی پا چکا تھا۔

آج اسے اس خدا کی معرفت مل گئی تھی جو
ہزار ماؤں سے بھی زیادہ اپنے بندوں سے پیار کرتا ہے۔

آج اسے محمد ﷺ کی غلامی کا شرف حاصل ہو گیا تھا، جس
کے لئے دنیا کے بڑے سے بڑے شرف کو بھی ٹھوکر ماری جا سکتی ہے۔

آج اسے وہ سب کچھ مل گیا تھا جس سے آج تک
وہ تہی دست اور تہی دامن تھا۔

اسی کا اثر تھا کہ وہ اس کشمکش اور جنجال سے بے
داغ نکلتا چلا گیا۔

یہ کہانی ہے اسلام کے ایک عظیم سپاہی سعد بن ابی
وقاصؓ کے اسلام لانے کی۔

کہانی نہیں بلکہ سچائی، قصہ نہیں بلکہ حقیقت۔

واہ سعد! واہ!

تیرے حوصلہ کو سلام اے سعد!

تیری ہمت پر قربان اے سعد!

تیرے فیصلہ پہ نثار اے سعد!

یقیناً یہ تیرا ہی جگر تھا جو اس فیصلہ کی تاب لا سکا۔

تیرا ہی کلیجہ تھا جس نے اس کٹھن گھڑی میں خود کو
ثابت قدم رکھا۔

اور یقیناً تو نقصان میں نہیں رہا، بلکہ دنیا کی سب
سے بڑی دولت سے مالا مال ہو گیا۔

ایک ماں کی ممتا تو گئی، ہزاروں ماؤں کی ممتا سے
بھی تو تو نوازا گیا۔

کیا کہنے تیری قسمت کے!!!

اس آئینہ میں ذرا اپنی بھی تصویر دیکھیں۔

کیا کبھی اس طرح کی کشمکش سے ہم بھی
دو چار ہوئے ہیں؟

کیا دنیا نے کبھی اس طرح کا سوال ہمارے
سامنے بھی رکھا ہے؟

اسلام اور غیر اسلام، جائز اور ناجائز اور صحیح اور غلط کا
دوراہا کبھی ہمارے راستے میں بھی آیا ہے؟؟

اگر ہاں، تو ہمارا انتخاب کیا رہا؟؟

ہم تو ذرا سے فائدے کے لئے اسلام کے مفاد کو
قربان کر دیتے ہیں۔

یہ واقعہ ہمارے لئے راہ عمل متعین کرتا ہے کہ
موقع کیسا ہی نازک کیوں نہ ہو، سچویشن کتنی ہی
خطرناک کیوں نہ ہو، محمد ﷺ کی غلامی کا طوق کسی بھی حال میں
اپنی گردن سے مت اتارنا، اس کے لئے اگر دنیا کی محبوب ترین
چیز کو بھی چھوڑنا پڑ جائے تب بھی سودا سستا ہے۔

اس کے لئے دردر کی ٹھوکریں بھی منظور۔

اس کے لئے فاقے بھی سر آنکھوں پر۔

جاہل رہنا منظور، لیکن شرک پر مبنی تعلیم ناقابل قبول۔

یہی پیغام ہے حضرت سعدؓ کے اس قصہ میں، اور
یہی مطالبہ ہے اسلام کا ہم سے۔

دنیا کا سب سے کامیاب معلم

محمد فرید حبیب ندوی

تعلیم وتعلم کا یہ سلسلہ اسی دن سے جاری و ساری ہے، جب سے یہ دنیا بنی اور بنی نوع انسان کی اس زمین پر تشریف آوری ہوئی ،حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان بھی تھے اور سب سے پہلے معلم بھی،اس دن سے نہ جانے کتنے معلم واستاد آئے اور چلے گئے ،لیکن اگر تاریخ سے سوال کیا جائے کہ ان میں سب سے کامیاب کون تھا،تو تاریخ کی زبان پر بے دھڑک ایک ہی نام آئے گا،اور وہ ہے محمد ﷺ کا نام گرامی۔

معلمین کی تعداد لاکھوں اور کروڑوں ہے ، لیکن آپ کو ان میں ایک بھی ایسا نہ ملے گا جس نے اپنی کامیابی کا اتنا سچا اور پکا دعوی کیا ہو جو کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا، کسی معلم نے بھی کبھی یہ دعوی نہیں کیا کہ اس کے سارے شاگرد اور تمام طلبہ کامیاب اور بامراد ہیں،انسان ہزاروں طلبہ کو پڑھاتا ہے، لیکن ان میں سے چند ہی ہوتے ہیں جن پر اسے اعتماد ہوتا ہے اور جو اس کے لئے قابل رشک اور وجہ صد افتخار ہوتے ہیں ، لیکن آپ ﷺ کی ذات والا صفات وہ واحد ہستی ہے جس نے یہ دعوی کیا کہ میرے تمام شاگرد کامیاب و بامراد ہیں ، آپ ﷺ نے فرمایا: أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم یعنی میرے تمام صحابہ (شاگرد) ستاروں کی مانند ہیں،تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرلوگے بامراد و ہدایت یاب ہوجاؤ گے۔

بحیثیت معلم آپ ﷺ کی کامیابی کے مختلف پہلو ہوسکتے ہیں ،جن میں سے چند یہاں بطور خاص پیش ہیں، مقصود استقصاء نہیں،صرف سرسری جائزہ لینا ہے۔

کسی بھی معلم واستاد کی کامیابی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ایسی چھوڑ جائے جو اس کے کام اور مشن کو آگے بڑھائیں، اس پہلو سے دیکھئے تو آپ ﷺ کا پلہ سب سے بھاری نظر آتا ہے، جس وقت آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں تو آپ ﷺ کے صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد ہی نہیں بلکہ سب کے سب اس معیار پر پورے اترتے تھے،ان سب نے ہی آپ کے کام کو اپنے اوپر اوڑھ کر اسے اپنا مقصد زندگی اور مطمح نظر بنایا،اور آپ کے مشن کو آگے بڑھایا، چنانچہ آپ ﷺ کے بعد بھی اسلامی فتوحات کا دائرہ بڑھتا ہی رہا۔نئی نئی قومیں مسلمان ہوئیں اور بہت سے نئے ممالک دائرہ اسلام میں آئے ، آپ ﷺ کے جانشینوں نے گھر گھر اسلام کو پہنچانے کی تگ و دو کی ، اور اس کے لئے ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں۔

عموماً ہوتا یہ ہے کہ کسی تحریک کا بانی اپنی تحریک کو جس مقام پر چھوڑ کر جاتا ہے، اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ زوال کا شکار ہونے لگتی ہے، اور اس کے شاگرد اس میں روح پھونکنے کے بجائے اس کے انحطاط اور زوال کا سبب بن جاتے ہیں، لیکن آپ ﷺ کے شاگرد اس سے مستثنیٰ ہیں، انہوں نے نہ صرف یہ کہ آپ کی برپا کی ہوئی تحریک کو تقویت بخشی؛ بلکہ اس میں اور جان ڈال دی، اور آپ جس بنیاد پر اسے قائم کر کے گئے تھے، آپ کے شاگردوں نے اسی بنیاد کے اوپر ایک اونچی تعمیر کھڑی کر دی۔

کسی معلم واستاد کی کامیابی کی ایک بڑی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں اور جانشینوں میں اپنے مشن اور کام کا جنون پیدا کر دے، اور اس کام کا ایسا لگاؤ ان کے اندر قائم کر دے کہ وہ اس کے لئے ہر سرد وگرم برداشت کرنے پر راضی رہیں، اس پہلو سے دیکھئے تو بھی آپ ﷺ سب سے نمایاں نظر آئیں گے، آپ ﷺ کے مشن اور کام سے جو والہانہ لگاؤ آپ کے صحابہ میں پایا جاتا تھا تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی، آپ ﷺ کا ایک ایک شاگرد آپ ﷺ کے مشن کے لئے جان ہتھیلی پر رکھتا، اور ہمہ وقت اسے اپنی ذمہ داری کا احساس رہتا، آپ ﷺ کے کام سے ان کا لگاؤ جنون کی حد تک تھا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ چکا تھا، اس کے لئے اپنے مال ومتاع کی قربانی پیش کرنا ان کے لئے معمولی بات تھی، اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دینا ان کی آرزو کی انتہا، اور اپنی آل واولاد کو اس کے لئے داؤ پر لگا دینا ان کے لئے رشک کی بات تھی، اس سلسلہ میں موجود واقعات اتنے مشہور اور بے شمار ہیں کہ ان کے ذکر کی چنداں حاجت نہیں۔

عموماً ہر معلم کسی ایک میدان میں ہی کام کرتا ہے، اور اسی میدان میں اس کے شاگرد اس کے جانشین بنتے ہیں، اگر وہ مختلف میدانوں میں کام کرے تو تشتت فکری اور ناکامی کا شکار ہو جاتا ہے، ہر معلم کا کسی نہ کسی شعبہ میں اختصاص ہوتا ہے، اور اسی میں وہ اپنے شاگردوں کی تربیت کرتا ہے، لیکن آپ ﷺ کی معلّمی کا یہ بھی کمال ہے کہ آپ ﷺ ہمہ جہت اور جامع الکمالات معلم تھے، آپ ﷺ نے صرف اہل اللہ اور علماء ہی نہیں تیار کئے بلکہ عقلاء روزگار، اسرار فطرت کے محرم، دنیا کے جہاں باں اور ملکوں کے فرماں رواں، سپہ سالار و کشور کشا، قائدین وحکماء، امراء وسلاطین اور سرمایہ دار وتجار ہر ایک کی ایک ٹیم تیار کی، یہ بھی آپ ﷺ کی معلّمی کا منفرد اور بے نظیر پہلو ہے۔

آپ کی کامیابی کی اہمیت اس لئے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ تعلیم وتدریس ایک ایسا پیشہ یا فن ہے جس کے لئے ذہنی یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے، جو معلم جتنا زیادہ یکسو، مطمئن اور تفکرات و پریشانیوں سے خالی الذہن ہوتا ہے اسی اعتبار سے وہ زیادہ کامیاب ہوتا ہے، لیکن آپ ﷺ نے جن حالات میں یہ کام کیا وہ کسی بھی طرح آپ ﷺ کے لئے سازگار نہ تھے، اس کے بجائے دشواریوں، رکاوٹوں اور مصیبتوں سے بھرا ہوا ماحول آپ کو ملا تھا، بلکہ شروع کا دور تو ایسا تھا کہ آپ ﷺ اطمینان کے ساتھ تعلیم وتدریس کا کام انجام بھی نہ دے سکتے تھے، چھپ چھپ کر اور آبادی سے دور جا کر یہ کام انجام دیتے، اس کے بعد بھی کبھی ذہنی اعتبار سے آپ ﷺ کو مکمل یکسوئی اور سکون حاصل نہ ہو سکا مگر پھر بھی آپ ﷺ نے جس کامیابی کے ساتھ اس منزل کو طے کیا وہ سب کے سامنے ہے۔

اس طرح کے اور بھی بہت سے پہلو ہو سکتے ہیں جن سے آپ کے کام کی نزاکت اور آپ کی کامیابی کی بلندی کا ادراک کیا جا سکتا ہے، یہ تو صرف ہلکا سا ایک جائزہ تھا جو پیش کیا گیا۔

☆☆☆

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قصہ ایک صحابی کی محبت رسول کا

محمد سلمان ہلوی دار العلوم ندوۃ العلماء

ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابی حضرت اسید بن حضیرؓ کی کوکھ پر اپنے دست مبارک سے کچوکا لگایا، حضرت اسیدؓ نے کہا کہ حضور ﷺ! آپ نے مجھے تکلیف دی ہے، تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے اسید! مجھ سے بدلہ لے لو، حضرت اسیدؓ نے فرمایا کہ جب آپ ﷺ نے مجھ کو کچوکا لگایا تھا اس وقت میرے جسم پر کپڑا نہ تھا، اور آپ ﷺ پر قمیص ہے، رسول کریم ﷺ نے اپنے جسم مبارک سے اپنی قمیص اٹھادی، حضرت اسیدؓ فوراً آپ ﷺ سے چمٹ گئے اور آپ ﷺ کی پشت کا بوسہ لینے لگے اور کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، آپ ﷺ سے شناسائی کے بعد میری یہی چاہت تھی، اب یہ دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔

حضرت اسید بن حضیرؓ کون ہیں؟

بیعت عقبہ ہو جانے اور قبیلۂ اوس وخزرج کے بہت سے لوگوں کے اسلام لے آنے کے بعد حضور ﷺ نے ان کی طرف مدینہ میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بحیثیت داعی روانہ فرمایا تو وہ حضرت اسعد بن زرارہ کے گھر بطور مہمان مقیم ہوئے، جو ان کے دعوتی کاموں میں ان کے رفیق اور معاون تھے، ایک مرتبہ وہ ان کے ساتھ بنو عبد الاشہل کے باغ میں ایک جماعت سے دعوتی ملاقات کے لئے گئے، جو جماعت اسلام لا چکی تھی، اور کچھ دیگر حضرات بھی وہاں گفتگو سننے کے لئے موجود تھے، اسید بن حضیرؓ جو اوس کے سردار تھے اور ان کی زمین اس باغ سے قریب تھی اور وہ اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے، انھوں نے غضبناک ہو کر کہا! یہ مکی نوجوان جو ہمارے معبودوں کو بیوقوف ٹھہرانے، اور آباء واجداد کو برا بھلا کہنے اور ان کو بیوقوف بتانے کے لئے آیا ہے، عنقریب میں اس کو دھتکار دوں گا، یہاں ٹھہرنے نہ دوں گا، پھر انھوں نے اپنا نیزہ سنبھالا، اور مصعب بن عمیرؓ اور ان کے میزبان کے پاس گئے، اور کہا کہ! ہمارے دیار میں تم کیوں آئے ہو؟ تم دونوں بہت جلد یہ محلّہ چھوڑ کر چلے جاؤ، حضرت مصعب بن عمیر سکون و وقار کے ساتھ آگے بڑھے اور ان سے عرض کیا کہ! اے اپنی قوم کے فرماں روا کیا آپ کے لئے بہتر اور مناسب نہ ہوگا کہ

ہمارے ساتھ تھوڑا بیٹھیں اور ہماری باتیں سنیں، اگر بھلی لگیں تو قبول کر لیں ورنہ کوئی بات نہیں؟ حضرت اسیدؓ تھوڑا پرسکون ہوئے اور کہا کہ تم نے انصاف کی بات کہی ہے، چنانچہ زمین پر اپنا نیزہ گاڑ دیا اور بیٹھ کر حضرت مصعبؓ سے اللہ کا کلام سننے لگے اور ایسے مست ہوگئے کہ ان کی باچھیں کھل گئیں، چہرہ مسرت سے دمک گیا، کہنے لگے کیا ہی اچھا کلام ہے، جو تم سنا رہے ہو، یہ بتاؤ کہ تم اسلام میں داخل ہونے والے کے ساتھ کیا کرتے ہو؟ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اس کا جواب دیا، وہ فوراً کھڑے ہوئے، غسل کیا، کلمہ پڑھا، پھر دو رکعت نماز پڑھی اور اپنے اسلام کا اعلان کیا، اس طرح اولین مسلمانوں میں عرب کے ممتاز شہسواروں کا ایک شہسوار اور قبیلۂ اوس کے گنے چنے سرداروں کا ایک سردار شامل ہوگیا، اوران کا یہ اسلام لانا ان کے قبیلہ کی ایک جماعت کے اسلام لانے کا سبب ہوا۔

حضرت اسید اسلام لانے کے بعد قرآن کے دلدادہ ہوگئے، اوراس کی تلاوت اور ذکر واذکار میں مشغول رہنے لگے، ایک شب وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ان کی نگاہ آسمان کی طرف چلی گئی، دیکھا کہ سائبان کی طرح ایک بادل کا ٹکڑا ہے جس کی روشنی سے آسمان بھرا ہوا ہے، اور چراغ کی مانند کچھ چیزیں لٹک رہی ہیں، پھر وہ ٹکڑا اوپر چڑھ گیا، یہاں تک کہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا، صبح ہوئی تو انھوں نے سارا واقعہ اور پورا ماجرا آپ ﷺ سے بیان کیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے اسید! یہ فرشتے تھے، جو تمہارا قرآن سن رہے تھے۔

یہ وہی اسید بن حضیرؓ قبیلۂ اوس کے سردار ہیں جنھوں نے ازراہ محبت نبی کریم ﷺ کے جسد مبارک کا براہ راست بوسہ لیا تھا، اوراپنی محبت کا ثبوت پیش کیا تھا، آج نبی کریم ﷺ سے ہماری محبت کی کیا پہچان ہے؟

حالانکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تعصی الالہ وأنت تظھر حبہ
ھذا لعمری فی القیاس بدیع
لو کان حبك صادقا لأطعته
إن المحب لمن یحب مطیع

(تم اللہ کی نافرنی کرتے ہو اور اس سے محبت بھی جتلاتے ہو،
میری عمر کی قسم یہ انداز انوکھا ہے، اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم اس کی اطاعت کرتے،
کیوں کہ محبّ اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے۔)

فھل من مدکر؟ تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

اللہ تعالی اس واقعہ سے عبرت لینے اور حضور اکرم ﷺ سے سچی پکی محبت کرنے کی توفیق دے۔

☆☆☆

امت محمدیہ،خصوصیات و امتیازات

محمد قمر الزماں ندوی
جنرل سکریٹری: مولانا علاء الدین ایجوکیشنل سوسائٹی، جھارکھنڈ
maeducationalsociety@gmail.com

دوسری خصوصیت اس امت کا معتدل و متوازن ہونا ہے :۔

امت مسلمہ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو امت وسط بنایا ہے، اس امت کے خمیر میں اعتدال ومیانہ روی رکھ دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" اسی طرح ہم نے تمھیں ایک امت وسط بنایا تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

وسط دو کناروں کے بیچ اور درمیان کو کہا جاتا ہے، اسی لئے ہر محمود و مستحسن وصف دو مذموم خصلتوں کے بیچ میں ہوتا ہے، ایک میں کوتاہی ہوتی ہے اور دوسرے میں غلو، ایک جانب افراط ہوتا ہے اور دوسری جانب تفریط، اور یہ دونوں ہی اسلام کی نگاہ میں مذموم ہیں جسے ترک کرنے اور اس سے اجتناب کرنے کے ہم مامور ہیں، دنیوی امور و معاملات ہوں یا دینی، ہر جگہ اور ہر مقام پر اعتدال و میانہ روی مطلوب اور افراط و تفریط مذموم ہے، کیونکہ اس کا انکار کرنے والا معقول و مطلوب حد سے تجاوز کر جاتا اور توازن کی اہمیت و حیثیت کو بگاڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے افراط و تفریط میں مبتلا اہل کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے: "قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ" (المائدہ:۷۷) "کہو! اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کے تخیلات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سواءالسبیل (سیدھے راستے) سے بھٹک گئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو غلو کرنے سے منع کیا ہے اور نزول قرآن کے وقت جو اہل کتاب موجود تھے انھیں حکم دیا کہ وہ اس غلو سے باز آجائیں جس میں ان کے اہل ملت پہلے سے مبتلا ہیں، وہ اندھی تقلید کا پھندا بھی اپنے گلے سے اتار دیں جو ان کی گمراہی کا سبب بنا ہے۔ قرآن مجید نے ان پر واضح کر دیا کہ ان سے پہلے کے لوگ جو ان ہی کی قوم وملت کے تھے وہ دین میں اپنی خواہشات و رغبات کی پیروی کی وجہ سے گمراہ ہوئے، انہوں نے اپنے نبیوں اور رسولوں کی یا ان نبیوں کے ماننے والے بندۂ صالحین کی پیروی نہیں کی۔

اس دنیا میں جتنے بھی انبیاء و رسل آئے سب کے سب موحد تھے، ان کے جو اصل حوارین تھے وہ بھی موحد تھے،

ان میں افراط وتفریط نہیں تھی، وہ دین میں غلو اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کے سخت منکر اور خلاف تھے، تثلیث کا عقیدہ یا دوسرے مذہبی باطل رسومات بعد میں ایجاد کئے گئے اس کی شروعات انبیاء کے کافی عرصہ بعد ہوئی اور یہ ان لوگوں نے کیا جو اپنی خواہش اور دلی رغبات کی پیروی کرنے والے تھے، اور اسی وجہ سے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا، اور جنھوں نے ان کی بدعات وخرافات کو مانا اور آنکھ بند کر کے ان کی پیروی کی وہ ہلاک ہو گئے۔

اعتدال و توازن کی ضرروت و اهمیت

اللہ تعالی نے اس دنیا میں جتنی چیزیں پیدا فرمائیں ہیں، عام طور پر ان میں افراط وتفریط انسان کے لئے باعث زحمت اور دشوار ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ چیزیں جو انسان کے لئے مفید ترین ہیں اگر اعتدال کی حد سے بڑھ جائیں یا ضرورت کی حد سے کم ہو جائیں، تو انسان کے لئے رحمت کے بجائے زحمت اور انعام خداوندی کے بجائے عذاب آسمانی بن جاتی ہیں، آپ غور کیجئے کہ ہوا انسان کے لئے کتنی بڑی ضرورت ہے؟ لیکن جب یہی ہوا تیز وتند طوفان اور آندھی کی شکل اختیار کر لے تو یہی حیات بخش ہوا کتنی ہی انسانی آبادی نیست ونابود اور تاخت وتاراج کر کے رکھ دیتی ہے۔

پانی زندگی کا سر چشمہ ہے، حیات انسانی کا دارومدار زیادہ تر پانی پر ہے، ارشاد خداوندی ہے، وجعلنا من الماء کل شئی حی۔

لیکن جب دریاؤں کی بے رحم موجیں اپنے دائرے سے باہر آجاتی ہیں تو سرسبز وشاداب کھیتیوں اور آباد بستیوں کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جاتی ہیں، اسی لئے خدائے وحدہ لاشریک نے اس دنیا کا نظام اعتدال ووسطیت پر رکھا ہے، ہر چیز میں توازن کا خاص خیال رکھا ہے، زمین میں جو قوت کشش اس وقت موجود ہے، اگر اس سے بڑھ جائے تو سائنس دانوں کا خیال ہے کہ انسان کا قد وقامت بلی اور چوہے کی طرح ہو جائے، اور اگر گھٹ جائے تو انسان اونچے درختوں بلکہ تاڑ کے درختوں کے برابر ہو جائے، تصور کیجئے کہ اگر زمین کا یہ نظام کشش گھٹ جائے یا بڑھ جائے تو حضرت انسان کو کتنی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا اور کتنی پریشان کن بات ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے سورج اور زمین کے درمیان ایک متوازن فاصلہ اور دوری رکھی ہے یہ فاصلہ بڑھ جائے تو زمین برف سے ڈھک جائے گی اور گھٹ جائے تو زمین پر اتنی زیادہ گرمی ہوگی کہ انسان کے لئے ناقابل برداشت ہو جائے گی، الغرض اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا پورا نظام اعتدال پر رکھا ہے اور یہ ترازو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھوں میں رکھا ہے (مستفاد، حقائق اور غلط فہمیاں ص، ۷۹)

الله تعالی کا اپنے بندوں سے اعتدال کا مطالبه

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے نظام کو اعتدال وتوازن پر قائم فرمایا اور اس ترازو کو اپنے پاس رکھا اسی طرح خدا تعالی نے اپنے بندوں سے بھی زندگی کے تمام شعبوں میں اعتدال برتنے کا مطالبہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ بندوں سے عقائد وعبادت، معاملات ومعاشرت اور سیاست وحکومت ہر جگہ اعتدال چاہتے ہیں اور افراط وتفریط کو ناپسند کرتے ہیں، ان اللہ یامر بالعدل (النحل ۹۰)۔

زندگی کے تمام شعبوں میں اعتدال وتوازن

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے زندگی کے تمام شعبوں میں اعتدال وتوازن چاہتے ہیں، اگر بندۂ رحمٰن زمین پر چل رہا ہو تو اس کی رفتار معتدل ہونی چاہئے اور اس میں اترانے کا

انداز نہ ہو،قرآن بندوں کومخاطب کر کے کہتا ہے کہ تم زمین پر اترا کر نہ چلو، کہ تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہواور نہ پہاڑ کی بلندیوں کوچھو سکتے ہو،ولا تمش فی الارض مرحا، انك لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا (الاسراء۳۷)

انسان کومکلّف بنایا گیا ہے کہ وہ بول چال اور گفتگو اور خطاب میں راہ اعتدال پر رہے، نہ ایسی پست آواز سے بولے کہ مخاطب کو سننے میں پریشانی ہو،کیوں کہ یہ زبان سے تکلیف دینے کے مترادف ہےاور نہ ہی اتنی بلند آواز سے بولے کہ آس پڑوس والے کوزحمت ہونے لگے،قرآن کا حکم یہ ہے کہ آواز حسب ضرورت پست ہونی چاہئے ، گدھے کی آواز بہت بلند ہوتی ہے،لیکن سب سے زیادہ ناپسندیدہ،واغضض من صوتك ، ان انكر الأصوات لصوت الحمير (لقمان۱۹)

لباس وپوشاک میں بھی انسان سے مطالبہ ہے کہ ایسا لباس ہرگز زیب تن نہ کرے جس کے پیچھے جذبہ تفاخر کارفرما ہو، آپ ﷺ سادہ لباس استعمال فرماتے اور صحابہ کرام کو بھی اسی کی ترغیب دیتے،لیکن یہ بھی مقصود نہیں کہ آدمی بوسیدہ اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے جس سے اس کی مصنوعی فقیری ظاہر ہو،آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب اللہ کسی کونعمت سے سرفراز فرمائے تو اس پر اس نعمت کا اثر ظاہر ہونا چاہئے،غرض افراط وتفریط کے درمیان مومن کا لباس ہونا چاہئے،جس کو قرآن لباس التقویٰ سے تعبیر کرتا ہے۔

ڈاڑھی کے سلسلے میں آج امت افراط وتفریط میں مبتلا ہے،اس سلسلے میں اسلام جو توازن اور اعتدال چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے داڑھی رکھنے کا بہ تاکید حکم فرمایا (ترمذی حدیث نمبر۲۷۶۳) دوسری طرف مشہور صحابی عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ چہرے کی چوڑائی اور لمبائی والے حصہ سے کچھ ڈاڑھی تراشا بھی کرتے تھے،(ترمذی۲۷۶۲)

قرآن مجید میں متعدد جگہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے دعا مانگنے کو کہا ہے "ادعونی استجب لکم " لیکن دعا کس آواز میں ہو اس سلسلہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ آواز بہت بلند نہ ہو بلکہ ایک حد تک پست ہو، بہت بلند آواز میں دعا کرنے کو زیادتی قرار دیا گیا ہے،" ادعوا ربكم تضرعا وخفية، انه لا يحب المعتدين" ۔

راہ خدا میں خرچ کرنا اسلام میں کس قدر مطلوب و پسندیدہ عمل ہے؟ لیکن قرآن مجید نے اس موقع پر بھی توازن برقرار رکھنے کا انسان کو حکم دیا، اور فرمایا کہ نہ اپنے ہاتھ بالکل باندھ لو، اور نہ اتنا خرچ کرو کہ خود تمہارے لئے حسرت اور لوگوں کی ملامت کا سبب بن جائے۔لا تجعل يدك مغلولة الى عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورًا (الاسراء۲۹)

روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی اپنی پوری جائداد اللہ کی راہ میں وقف کرنا چاہتے تھے،آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔

بدنی عبادت میں بھی اعتدال وتوازن مطلوب و مقصود ہے،حضرت عبداللہ بن عمر مسلسل روزہ رکھتے تھے اور رات بھر نماز پڑھتے تھے آپ ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپؐ نے ناپسندیدگی ظاہر کی اور فرمایا،کبھی روزے رکھو اور کبھی نہ رکھو،نماز پڑھو اور سوؤ بھی، کیوں کہ تم پر تمہاری آنکھ کا بھی حق ہے،تمہاری جان کا بھی اور تمہاری بیوی کا بھی۔(بخاری شریف۱۹۷۷)۔

اس سلسلہ میں اور بھی روایتیں ہیں کہ بعض صحابہ روازانہ روزہ رکھنے کے متمنی اور خواہش مند تھے،آپ ﷺ نے

اپنا حوالہ دے کران کومنع فرمایااورصوم داؤدی کا حکم دیااور فرمایا وهو اعدل الصيام وهو صيام داؤد ۔ حضرت داؤدؑ کا عمل یہ تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے اوراگلے دن نہیں رکھتے۔

محبت اور عدوات میں عام طور پر انسانوں میں بے اعتدالی پائی جاتی ہے،محبت انسان سے بصیرت کے ساتھ بصارت بھی چھین لیتی ہے، انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے تو اس کی برائیوں میں بھی بھلائیاں نظر آنے لگتی ہیں، اور یہی انسان جب دشمنی پر آتا ہے تو دشمنی میں رائی جیسی برائی بھی پہاڑ نظر آنے لگتی ہے اور دشمن میں پہاڑ جیسی خوبی ہوتو وہ بھی رائی سے حقیر نظر آتی ہے۔

اسلام اس سلسلہ میں بھی اعتدال کی راہ پر گامزن رہنے کی تعلیم دیتا ہے،غلو آمیز محبت یا غلو آمیز نفرت وعداوت کا اسلام سخت مخالف ہے، بلکہ اسلام کی پاکیزہ تعلیم یہ ہے کہ دشمن بھی ہوتو اس کی غیبت اور بہتان تراشی میں مت پڑو، اور اگر کوئی دوست ہوتو اس کو مرکز عقیدت سمجھ کر اس کی تعریف میں غلو اور تملق وخوشامد مت کرو اور خبردار دشمن سے بھی دشمنی میں حد اعتدال سے باہر نہ جاؤ، ممکن ہے کل اللہ تعالیٰ تمہارے اور اس کے درمیان محبت پیدا فرمادے، "عسى الله ان يعدل بينكم وبين الذين عاديتم مؤة "

ایک حدیث شریف سے مزید اس کی وضاحت ہوجاتی ہے، حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اپنے دوست سے حد اعتدال میں رہتے ہوئے دوستی کرو، بعید نہیں کہ کسی دن وہ تمہارا دشمن بن جائے اور اپنے دشمن سے بھی بغض ونفرت میں اعتدال رکھو، کیا عجب کہ کسی دن تمہارا دوست بن جائے"۔

شریعت اسلامی میں بالغ لڑکی کو خود اپنے نکاح کا حق دیا گیا ہے (ابو داؤد) آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شوہر خاتون بہ مقابلہ ولی کے خود اپنی ذات کی زیادہ حق دار ہے (ابوداؤد) لیکن چونکہ اندیشہ ہے کہ ولی کی شرکت کے بغیر عورت کی نااہلی اور ناتجربہ کاری اسے نقصان پہنچا سکتی ہے اس لئے یہ بھی فرمادیا گیا کہ ولی کی شرکت کے بغیر نکاح کا انعقاد بہتر نہیں۔ (لانکاح الا بولی) (ابوداؤد)

مذہب اسلام میں قتل وقصاص اور دیت کے احکام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور احادیث نبویہ میں ان احکام کی تفصیل موجود ہے، خود آنحضرت ﷺ نے قتل وقصاص اور دیت کے بہت سے مقدمات کو حل فرمایا، یہاں بھی اسلام کی واضح تعلیمات موجود ہیں جو اعتدال وتوازن کی زندہ مثال ہیں، شریعت اسلامی کا حکم ہے کہ اگر کوئی شخص ظلماً قتل کیا گیا ہو تو مقتول کا ولی قاتل سے انتقام لے سکتا ہے، لیکن ضروری ہے کہ یہ بھی قاعدہ قانون اور اصول کے دائرہ میں ہو اور قتل میں حدود سے تجاوز نہ ہو "ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لوليه سلطانا فلا يسرف فى القتل" (الاسراء۳۳)۔

اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لئے بہت سی چیزوں کو حلال فرمایا اور بہت سی چیزوں کو ان کے خبث کی وجہ سے ناپاک اور حرام فرمایا، حلال وحرام میں بندے کو حکم دیا گیا کہ اعتدال پر رہیں، جہاں اس بات کو منع کیا گیا کہ آدمی حرام کو اپنے لئے حلال کرلے وہیں یہ حکم بھی دیا کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہو، دین میں غلو کا راستہ اختیار کرتے ہوئے حلال کو بھی حرام نہ کرلیا جائے "لا تحرموا طيبات ما احل الله لكم ولا تعتدوا (المائدہ۸۷)۔

میدان جہاد جہاں فریقین باہم متصادم ہوتے ہیں ، دین وایمان اور جان ودل کا علانیہ دشمن سامنے ہوتا ہے، ایسے

موقع پر بھی اللہ تعالی راہ اعتدال پر رہنے کا حکم دیتا ہے کہ جو تم سے برسر جنگ ہو تمہاری جنگ انھیں لوگوں تک محدود ہونی چاہئے اور حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے، وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم ولا تعتدوا (البقرہ ۱۹۰)

انسانی طبیعت اور فطرت یہ ہے کہ جب انسان جوش انتقام میں ہوتا ہے تو وہ انصاف کی راہ سے ہٹ جاتا ہے اور راہ اعتدال سے گزر جاتا ہے، اس لئے انسان کو ایسے موقع پر یہ تعلیم بلکہ حکم دیا گیا کہ اگر کسی نے تم پر ظلم کیا ہو تو تمہارے لئے اس کے ظلم کے بقدر ہی اقدام کی گنجائش ہے، جواب میں جادۂ انصاف سے ہٹ جانا اور انصاف کے دائرہ سے آگے بڑھ جانا درست نہیں ہے، فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم (البقرہ ۱۹۴)۔

امت محمدیہ کا خاص اعتدال

مذکور الصدر آیت میں امت محمدیہ ﷺ کی ایک امتیازی فضیلت وخصوصیت کا ذکر ہے، کہ وہ ایک معتدل امت بنائی گئی ہے، ترمذی شریف بہ روایت ابوسعید خدریؓ آنحضرت ﷺ سے لفظ وسط کی تفسیر عدل سے کی گئی ہے، جو بہترین کے معنی میں آیا ہے، (قرطبی بحوالہ معارف القرآن جلد اول) اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جس طرح ہم نے مسلمانوں کو وہ قبلہ عطا کیا، جو سب سے افضل واشرف ہے، اسی طرح ہم نے امت اسلامیہ کو ایک خاص امتیازی فضیلت یہ عطا کی ہے کہ اس کو ایک معتدل امت بنایا ہے، جس کے نتیجہ میں ان کو میدان حشر میں یہ امتیاز حاصل ہوگا کہ سارے انبیاء علیہم السلام کی امتیں جب اپنے انبیاء کی ہدایت وتبلیغ سے مکر جائیں گی، اور ان کو جھٹلا کر یہ کہیں گی کہ ہمارے پاس نہ کوئی کتاب آئی، نہ کسی نبی نے ہمیں کوئی ہدایت کی، اس وقت امت محمدیہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے گواہی میں پیش ہوگی اور یہ شہادت دے گی کہ انبیاء علیہم السلام نے ہر زمانے میں اللہ کی طرف سے لائی ہوئی ہدایت ان کو پہنچائی تھی، اور ان کو صحیح راستہ پر لانے کی مقدور بھر کوشش کی تھی، مدعی علیہم امت محمدیہ کی گواہی پر یہ جرح کریں گے کہ اس امت محمدیہ کا تو ہمارے زمانے میں وجود بھی نہ تھا اس کو ہمارے معاملات کی کیا خبر، اس کی گواہی ہمارے مقابلے میں کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔

امت محمدیہ اس جرح کا جواب یہ دے گی کہ بیشک ہم اس وقت موجود نہ تھے مگر ان واقعات وحالات کی خبر ہمیں ایک صادق ومصدوق رسول ﷺ نے اور اللہ کی کتاب نے دی ہے، جس پر ہم ایمان لائے اور ان کی خبر کو اپنے معاینہ سے زیادہ وقیع اور سچا جانتے ہیں، اس لئے ہم اپنی شہادت میں حق بجانب اور سچے ہیں، اس وقت رسول کریم ﷺ پیش ہوں گے اور ان گواہیوں کی تذکیر وتوثیق کریں گے کہ بے شک انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری تعلیم کے ذریعہ ان کو صحیح حالات معلوم ہوئے۔ یہ تفصیلات بخاری، ترمذی، نسائی اور مسند امام احمد بن حنبل میں الفاظ کے فرق کے ساتھ موجود ہیں۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آیت مبارکہ "وكذلك جعلناكم امة و سطا" کی بڑی جامع اور معنی خیز تفسیر کی ہے اور امت محمدیہ کے اعتدال اور وسطیت پر سیر حاصل گفتگو کی ہے نیز اسلام کے عباداتی معاشرتی اور اقتصادی توازن واعتدال، اور اعتدال کی ضرورت ومصلحت پر جامع تبصرہ فرمایا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس چشم کشا تحریر کو پیش کر دیا جائے۔

☆☆☆ (......جاری) ☆☆☆

فکر اسلامی (قسط-۵)

مفکر اسلام- ایک مطالعہ

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

سب سے بڑا مسئلہ

مولانا نے تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنی دعوت کا اصل ہدف بنایا اور بڑی حد تک متأثر بھی کیا، وہ جانتے تھے کہ آئندہ نسلوں کی فکری رہنمائی اور تعلیمی نظام اس طبقہ کے ہاتھ ہوگا اسی لیے آپ نے بارہا فکری ارتداد کے خطرات پر اظہار خیال کیا، نصاب و نظام تعلیم کو ایسا بنانے پر زور دیا جو عقیدے کا محافظ اور معاشرے کی تعمیر میں معاون ہو، مولانا کے عربی رسالہ ردۃ ولا أبا بکر لھا کا خلاصہ ان ہی کے الفاظ میں یہ ہے:

''عالم اسلام کا اس وقت کا اصل مسئلہ وہ مذہبی و تہذیبی ارتداد ہے جو آگ کی طرح تعلیم یافتہ طبقہ میں پھیلا ہوا ہے اور وہ اعتقادی ارتداد کے حدود کو چھو رہا ہے، لیکن مسلم معاشرہ اس کا وہ نوٹس نہیں لے رہا ہے جس کا وہ مستحق ہے، اس کے مقابلہ کے لئے ایک ایسی باصلاحیت، تعلیم یافتہ نسل کی ضرورت ہے جو اسلام کی عظمت و ابدیت پر اپنے دل کی گہرائی اور ذہنی و علمی وثوق و دلائل کے ساتھ یقین رکھتی ہو اور اس فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو''۔

(کاروان زندگی ج۲ص۳۶۱)

موجودہ کشمکش کا سبب نظام تعلیم ہے

مولانا ہمیشہ حقیقت پسندانہ تجزیہ کرتے تھے، ملیشیا کی ایک یونیورسٹی میں کلیۃ الشریعۃ کے اساتذہ وطلبہ کو خطاب کرتے ہوئے جو گفتگو کی اسمیں آج کی علمی دنیا میں اٹھنے والی انقلابی تحریک کی تصویر مکمل دیکھی جاسکتی ہے اور اصل وجہ بھی خوب سمجھی جاسکتی ہے:

''تقریر تعلیمی موضوع پر تھی، تقریر میں خاص طور پر اس پر روشنی ڈالی گئی کہ ممالک اسلامیہ میں اسلام پسند اور اسلام بیزار طبقہ کی محاذ آرائی، اور پھر اس کے نتیجہ میں انقلابات (جن کی مثال خالص غیر مسلم ممالک میں کم دیکھنے میں آتی ہے) اس لئے پیش آتے ہیں کہ ہمارے اسلامی ملکوں کا نظامِ تعلیم مسلم اکثریت اور عوام کے عقائد، مسلمات اور جذبات سے میل نہیں رکھتا، بلکہ اکثر اوقات متصادم ہوتا ہے، قوم اور مسلم عوام ایک دنیا کے ہوتے ہیں، اور برسر اقتدار اور برسرِ حکومت طبقہ اور ملک کی تعلیم،

معاشرہ اور قانون کا نظام بنانے والے دوسری دنیا کے، اس لئے دونوں طبقوں میں ایک مسلسل بے اعتمادی، بے گانگی ،اور رقابت رہتی ہے، صاحبِ اقتدار طبقہ عوام سے خائف وبدگماں اور انکے دینی جذبہ کو مردہ یا سرد کرنے کی فکر میں رہتا ہے، اور عوام یا اسلام پسند عنصر کو جب موقعہ ملتا ہے تو وہ دین کو برسرِ اقتدار لانے کے لئے انقلاب کرنے کی کوشش کرتے ہیں،'' (کاروان زندگی ج ۳ ص ۲۴۳)

فراست مومن کے تقاضے

رابطۂ عالم اسلامی ۱۹۸۷ء میں اپنی تیسری عمومی کانفرنس منعقد کررہا تھا، مولانا خود لکھتے ہیں کہ مجھے اس میں شرکت کے لئے تردد تھا لیکن موقع کو اس لیے غنیمت سمجھا گیا کہ چیدہ افراد کے سامنے مومنانہ جرأت کا حق ادا کیا جائے اور برحق مشورے دیے جائیں، مولانا نے شرکت کی جو وجہ لکھی اسے پڑھیے اور موجودہ دور میں بغرض مصالح تمام تر حقائق سے آنکھیں موند لینے پر ماتم کیجئے:

''اس مؤتمر میں اپنی شرکت کے بارہ میں خاصہ تردد تھا، لیکن اخیر وقت میں اس بنا پر اس طویل سفر کے گوارہ کرنے اور کانفرنس میں شرکت کا فیصلہ کیا کہ اس اہم موقعہ پر جب ممالک عربیہ بالخصوص سعودی عرب کی اہم علمی و فکری شخصیتیں، قائدین و رہنما اور خصوصیت کے ساتھ حکومت سعودیہ کے متعدد ذمہ دار حضرات شریک ہوں گے، اس نازک اور پیچیدہ صورتِ حال میں جو ایرانی انقلاب اور خلیجی جنگ کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے، اور ان خطرات کے پیشِ نظر جو ان عرب ممالک اور سعودی عرب کو درپیش ہیں، جہاں دولت کی فراوانی ہے، معیار زندگی انتہا درجہ کو پہونچ گیا ہے، اور تنہا بری طاقتوں کی امداد و حفاظت پر تکیہ اور انحصار ہے، کوئی دینی و ایمانی تحریک و دعوت بھی موجود نہیں جس میں خطر پسندی، مہم جوئی، جاں بازی، اور ایثار وقربانی کا جذبہ ہو، اس وقت ان ممالک بالخصوص سعودی عرب کو چند حقیقت پسندانہ وجرءت مندانہ مشورے دینے اور صفائی کے ساتھ حقائق وخطرات سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے، (جس کی توقع مسلسل تجربوں کی بنا پر دوسرے شرکائے مؤتمر سے بہت کم تھی) اخیر وقت میں اس سفر اور مؤتمر میں شرکت کا فیصلہ کیا گیا اور نہایت عجلت ومصروفیت کی حالت میں ''عصر حاضر میں دعوتِ اسلامی کے فیصلہ کن محاذ اور مرکزی میدان'' کے عنوان سے ایک مضمون تیار کرلیا گیا۔ (کاروان زندگی ج ۳ ص ۲۷۹۔۲۸۰)

مولانا کے پیش نظر ہمیشہ دعوت واصلاح کا منصب رہتا تھا اسی کے لیے وہ ہر مشکل کو آسان بنا کر سفر کیا کرتے تھے اور ہمیشہ اسی میں رہتے تھے کہ شاید ''تکبیر مسلسل'' کہیں اثر انداز ہوجائے اور مسلمانوں کے سمندر میں ایمان کی کوئی طغیانی آجائے، بعض کم فہم یہ سمجھ بیٹھے کہ مولانا عرب حکام سے تعلق رکھتے تھے یا سعودی حکام کی

تایید کیا کرتے تھے، یہ ان کے فکر و مطالعہ کا نقص یا بالقصد کی ہوئی غلطی ہے، یا پھر اس کو خود پر کیا گیا قیاس کہا جا سکتا ہے، مولانا کا کوئی سفر کوئی خطاب یا کوئی مقالہ قرآن وسنت اور تاریخ و سیرت کی روشنی دیے گئے مخلصانہ و ناصحانہ مشوروں اور بسا اوقات واضح وصریح تنقیدوں سے خالی نہ ہوتا تھا، ہاں اگر کبھی مولانا نے سعودیہ کے موقف کی تائید کی ہے تو شیعی خطرات کے پیش نظر حمایت پر مجبور ہوئے ہیں اور ہر صاحب عقل فساد زدہ ہی سہی مگر اہل سنت کو شیعوں پر ترجیح دے گا۔

خطرات کا ادراک اور دور اندیش تنقید

رابطہ عالم اسلامی کی موتمر میں مولانا نے اپنی تقریر ''مکہ ومدینہ کی حرمت'' پر کی اور اس آیت سے آغاز کیا:

"ومن يرد فيه بالحاد بظلم نذقه من عذاب اليم۔

اور جو کوئی بھی (حرم کے اندر) کسی بے دینی کا ارادہ ظلم سے کرے گا ہم اسے عذاب دردناک چکھائیں گے۔

میں نے عرض کیا کہ یہ آیت قرآن مجید کا مستقل معجزہ اور خدا کے علم محیط وازلی کی ایک نشانی ہے، چھٹی، ساتویں صدی عیسوی تک متمدن دنیا بالخصوص جزیرۃ العرب کو صرف ایک ہی خطرہ اور ایک ہی طرح کے حملہ کا تجربہ تھا، اور وہ میدانی جنگ کا خطرہ اور کھلے ہوئے فوجی حملہ کا تجربہ تھا، اس کا ایک نمونہ اسی مقدس سرزمین نے ابرہہ کی لشکر کشی اور اصحاب فیل کی فوجی پیش قدمی کی صورت میں دیکھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے بری طرح سے پسپا اور ناکام بنا دیا، اور اس کے بارہ میں ایک پوری سورہ (سورۃ الفیل) نازل فرمائی، لیکن اس بلدِ امین، بیت اللہ اور مرکز عالم کے خلاف گہری سازشوں، معنوی تحریفات اور ملحدانہ منصوبہ بندیوں کا کوئی تجربہ نہ تھا، لیکن اس علیم و خبیر خدا نے جس نے یہ آخری کتاب نازل کی اس کی طرف سے بھی آگاہی دے دی کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے، اور اس سے بھی خبردار رہنا چاہیے، اور اس کی سزا اور انجام بھی بتادیا کہ "نذقه من عذاب اليم"۔(کاروان زندگی ج۳ص۲۸۴)

صراحت وصاف گوئی

اسی کانفرنس میں مولانا نے بڑی صراحت کے ساتھ امراء وزعماء کے گوش گزار کیا:

''مسلم زعماء ومفکرین کے ذہن میں یہ بات ہوگی کہ سیلاب کی رو کو ایک سیلاب ہی روک سکتا ہے، طوفان کا مقابلہ اس سے زیادہ قوت کا طوفان ہی کرسکتا ہے، عالم اسلام کی موجودہ جو حالت ہے، اس کو معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ وہ جمود کی حالت میں ہے، اس پر راحت طلبی اور گراں خوابی طاری ہے، اس کے اندر کوئی ایمانی مضبوط دعوت نہیں ہے، اور نہ صحیح عقائد اور بلند وپاک مقاصد کے لئے قربانی اور فدائیت کا جذبہ ہے،

فکری اور عسکری لحاظ سے بھی وہ خود کفیل نہیں ہیں، اور یہ بات ہمیشہ ایک خطرناک صورت حال کے پیدا ہو جانے کی آگاہی دیتی ہے، اور ہر طور پر غلط قسم کی کھوکھلی تحریکوں کے جال میں نوجوانوں کو ڈال دینے کے لیے زمین ہموار کرتی ہے، کیونکہ نوجوان جو موجودہ صورت حال سے نالاں ہیں، ان کو صحیح میدان عمل نہیں مل رہا ہے ان تحریکات کا بآسانی شکار ہو جاتے ہیں، کیونکہ ان کے اندر ان کو اپنے جذبات کی تسکین کا سامان نظر آتا ہے، اگر چہ ان تحریکات کی حیثیت سراب کی ہے" (کاروان زندگی ج۳ص۲۹۲)

عرب ممالک کے لئے تہذیب جدید ایک خطرہ

مولانا کا انداز تنقید بہت نرم اور مثبت تھا، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں جو ضرورت تھی وہ مولانا نے کہا ضرور، جو لوگ متحدہ عرب امارات کی تمدنی ترقی اور عیش پسندی سے واقف ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ ذیل کا اقتباس کس قدر ایمانی جرأت اور دعوتی تقاضوں کے لحاظ کا غماز ہے، جامعہ شارقہ کے لکچر ہال میں مولانا نے فرمایا:۔

"راقم نے اس تہذیب و تمدن کے بارہ میں اپنے تأثرات کا اظہار کیا، جو ترقی کے بام عروج پر پہونچ جاتا ہے، اور اقوام و ملل، مذاہب و ادیان کی زندگی کے حدود کو پار کر جاتا ہے، متحدہ عرب امارات، وسعودی عرب کی چمک دمک اور ٹیپ ٹاپ کے مشاہدہ سے راقم پر اندیشہ وفکر کا عالم طاری تھا، انھیں جذبات کے دباؤ سے راقم نے رومی و ایرانی تہذیبوں کے مقابلہ میں جو اپنے زمانہ میں نفاست ونزاکت، وسعت وترقی، اور مصنوعی زندگی کا نمونہ پیش کرنے میں بام عروج کو پہونچ چکی تھیں، پہلے کے عرب مسلمانوں کا اپنے اسلامی وعربی تشخص پر مضبوطی سے قائم رہنے، اس کی حفاظت کرنے اور معیشت میں سادگی، اور تقشّف اور بہادرانہ زندگی کو اپنانے کا تذکرہ کیا، اور ان اصول و مقاصد کے ماتحت اس تمدن کو چلانے، زمانہ کا ساتھ دینے اور ملک کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے موجودہ تہذیب کو اسلامی شخصیت کے تابع بنانے کی ضرورت پر زور دیا،، اور محاضرہ کو اس آیت کریمہ پر ختم کیا، جس سے سیدنا حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے اپنی اس تقریر کو ختم کیا تھا، جو حضرت معاویہؓ کی فرمائش پر خلافت سے دست بردار ہونے کے وقت اس غرض سے کی تھی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جو کچھ ہوا سب سنجیدگی وتیقن سے ہوا، یہ ایک مختصر خطاب تھا، جسے اس آیت پر ختم کیا کہ:۔وَاِنۡ اَدۡرِی لعله فتنة لکم و متاع الی حین (سورۂ انبیاء ۱۱۱) (کاروان زندگی ج۴ص ۔۴۵۔۴۶)

(......جاری)☆☆☆

نقد ونظر (قسط-۳)

حدیث اور محدثین کی بابت راشد شاز کا نظریہ

مولانا الیاس نعمانی ندوی

حدیث نبوی کی آئینی وتشریعی حیثیت:

رسول اکرم (ﷺ) کے اقوال وافعال (احادیث) کو دین وشریعت میں نہایت اہم مقام حاصل ہے، پوری تاریخ اسلامی کے تمام معتبر ومستند علما، ائمہ اور ماہرین قانون انہیں قرآن مجید کے بعد اسلامی قانون کا اہم ترین ماخذ تسلیم کرتے آئے ہیں، خود آں حضرت (ﷺ) نے بھی اپنی احادیث کے اس مقام ومرتبہ اور اس اہمیت کو اپنی متعدد احادیث میں بیان فرمایا ہے، مثلا ایک صحیح حدیث میں (جو متعدد کتب حدیث میں روایت کی گئی ہے) رسول اکرم (ﷺ) کا ارشاد ہے:

"سنو! مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) قرآن بھی ملا ہے، اور قرآن کے ساتھ اس کے مثل اور بھی، سنو! مستقبل میں کچھ ایسے پیٹ بھرے لوگ پیدا ہوں گے جو اپنے شاندار تخت (یا مسہری) پر (آرام کرتے ہوئے) لوگوں سے کہیں گے کہ تم پر بس اس قرآن کی ہی پیروی لازم ہے،......" (سنن ابي داؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، حدیث نمبر:۴۶۰۶)۔

اس حدیث نبوی کو غور سے پڑھیے تو اس سے مندرجہ ذیل تین باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ رسول اکرم (ﷺ) پر جس طرح قرآن مجید کی وحی ہوتی تھی، اسی طرح قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ (ﷺ) پر احکام وہدایات کا نزول ہوتا تھا، یعنی اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ قسم جو قرآن کی صورت میں رسول اللہ (ﷺ) پر نازل ہوتی تھی، اور دوسری وہ قسم جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکام تو آپ (ﷺ) تک پہنچائے جاتے تھے، لیکن وہ قرآن کا حصہ نہیں ہوتی تھی، ان ہی دو قسموں کو ہمارے علما بالترتیب

وحی متلو اور وحی غیر متلو کہتے ہیں۔

۲۔قرآن مجید کے علاوہ وحی کے ذریعہ نازل ہونے والے ان احکام وہدایات پر عمل بھی لازم ہے،یعنی جس طرح قرآن مجید میں بیان کردہ حلال وحرام کو ماننا لازمی ہے اسی طرح ان چیزوں کو بھی حلال وحرام ماننا لازمی ہے جن کو آپؐ نے حلال وحرام بتایا ہے،لیکن ان کی حلت وحرمت کا کوئی ذکر قرآن میں نہیں ہے۔

۳۔آپؐ نے یہ بھی بتایا کہ مستقبل میں کچھ پیٹ بھرے اور آرام دہ تختوں پر ٹیک لگائے لوگ ایسے بھی ہوں گے جو قرآن کے علاوہ نازل ہونے والی وحی کا انکار کریں گے،اور یہ کہیں گے کہ حلال یا حرام بس وہ ہے جسے قرآن نے حلال یا حرام بتایا ہے،قرآن کے علاوہ حلت وحرمت (یا بالفاظ دگر احکام خداوندی) کا علم کہیں اور سے نہیں ہوسکتا ہے۔

آں حضرت (ﷺ) کی دیگر پیشین گوئیوں کی طرح یہ پیشین گوئی بھی سچ ثابت ہوئی،اور امت میں منکرین حدیث کا ایک وہ گروہ پیدا ہوا جو وحی کی اس دوسری قسم کا انکاری ہے،وہ وحی کو صرف قرآن تک ہی محدود مانتا ہے،اور قرآن کے علاوہ کوئی اور ماخذ دین ہونے کا انکاری ہے۔

اس بابت نظریۂ شاذ

شاذ صاحب بھی اسی نظریہ کے حامل ہیں،وہ حدیث کو دین کا ماخذ نہیں مانتے ہیں،اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ:''قرآن جو کہ اسلامی عقیدہ کا کامل اظہار ہے وہاں نہ تو نصًّا اور نہ ہی اشارۃً دین کے کسی دوسرے ماخذ کا کوئی ذکر ملتا ہے''(ادراک زوال امت:۲۱۸/۱)۔

اتنا ہی نہیں وہ یہ بھی دعوی کرتے ہیں کے قرآن کے علاوہ رسول اللہ (ﷺ) پر وحی نازل نہیں ہوتی تھی،ان کے اس دعوے کو جاننے کے لیے ان کی کتاب ادراکِ زوال امت کے ایک مقالہ کا یہ عنوان ملاحظہ ہو:

مثله معه وحی سے باہر وحی کی تلاش فبأي حديث بعدهٔ يؤمنون (ادراک زوال امت:۱۹۳/۱)

آیئے دیکھیں کہ شاذ صاحب اس عنوان میں کیا کیا کہہ رہے ہیں،ہم نے اوپر سنن ابوداود کی ایک حدیث کا ترجمہ تحریر کیا تھا،اس کا پہلا جملہ تھا:''سنو! مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) قرآن بھی ملا ہے،اور قرآن کے ساتھ اس کے مثل اور بھی''۔حدیث نبوی کے اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے ہم نے اوپر یہ لکھا تھا کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:''رسول اکرم (ﷺ) پر جس طرح قرآن مجید کی وحی ہوتی تھی،اسی طرح قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ (ﷺ) پر احکام وہدایات کا نزول ہوتا تھا''۔ظاہر ہے کہ یہ حدیث شاذ صاحب کے اوپر مذکور اس نظریہ کے خلاف پڑتی ہے جس کے مطابق قرآن کے علاوہ کوئی اور ماخذ دین ہی نہیں ہے،اور کتاب اللہ کے نزول کے علاوہ رسول اللہ (ﷺ) پر وحی نازل نہیں ہوتی تھی،اس

عنوان میں انہوں نے اسی حدیث کا جواب دیا ہے، "مثلہ معہ"، یہ عربی الفاظ درحقیقت اس حدیث کے وہ الفاظ ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کے ساتھ اس کے مثل اور احکام وہدایات بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ (ﷺ) کو ملتے تھے، اب ذرا شاز صاحب کے مذکورہ بالا عنوان پر نگاہ ڈالیے "مثلہ معہ" کے جن الفاظ کے ذریعہ رسول اللہ (ﷺ) نے یہ بتایا تھا کہ آپ پر نازل ہونے والی وحی صرف قرآن مجید تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کے علاوہ بھی آپ پر وحی نازل ہوتی ہے، ان الفاظ کو لکھ کر شاز صاحب نے (غالباً از راہِ استہزا) یہ تبصرہ کیا ہے کہ 'یہ وحی سے باہر وحی کی تلاش ہے'۔ پھر انہوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کے آگے بڑھ کر غیر قرآنی احکام نبوی (حدیث) پر بھی ایمان لانے والوں کو اس آیت (فبأي حديث بعدهٗ يؤمنون) کا مصداق قرار دے دیا ہے جس میں قرآن نے غیر مسلموں کی بابت کہا ہے کہ وہ قرآن چھوڑ کر کن باتوں پر ایمان لاتے ہیں، جس سیاق میں شاز صاحب نے یہ آیت درج کی ہے اس کو پیش نظر رکھ کر ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ وہ کیا کہنا چاہ رہے ہیں، اور آیت کے مفہوم میں کیسی تحریف کررہے ہیں؟

خیر، حدیث کی آئینی وتشریعی حیثیت کی بابت یہ شاز صاحب کا نظریہ ہے، اور اسی لیے وہ اپنی تحریروں میں (ادراک زوال امت کے اس مقالہ میں بھی جس کا عنوان اوپر درج کیا گیا ہے) حدیث کو بار بار 'تاریخ' کہتے ہیں، آیئے یہ جانیں کہ کسی نص یا مجموعۂ نصوص کو 'تاریخ' کہنے کا مطلب کیا ہوتا ہے؟

'تاریخیت' فلسفہ میں مابعد جدیدیت رجحان کا ایک نظریہ ہے، جس کے مطابق تمام نصوص اپنے تاریخی پس منظر اور ارتقا سے کلی وجزوی بہر اعتبار مربوط ہوتے ہیں، لہٰذا کسی نص یا مجموعۂ نصوص کو تاریخ کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ دائمی راہنمائی کا حامل نہیں ہے، بس اپنے زمانہ ومرحلہ تک محدود ہے، یہی نظریہ قرآن مجید کے سلسلہ میں عصر حاضر کے بعض اصحابِ قلم نے اختیار کیا ہے، تو ان کے نزدیک قرآن مجید اپنے وقت کے لیے موزوں تھا لیکن اس کی تعلیمات میں عصر حاضر کے لیے راہ نمائی نہیں ہے، (اس سلسلہ میں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فقہ: مقاصد، از: ڈاکٹر جاسر عودہ، ترجمہ: الیاس نعمانی، ص: ۴۰-۴۱) شاز صاحب قرآن مجید کی بابت تو اس نظریہ کے حامل نہیں ہیں، لیکن حدیث کو وہ بہر حال تاریخ کہتے ہیں، یعنی وہ احادیث نبویہ کی راہ نمائی کو عہد رسول (ﷺ) کے ساتھ محدود مانتے ہیں، بعد کے زمانوں کے لیے حجت نہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی تحریروں میں احادیث نبویہ کو بار بار 'نظائر رسول' تحریر کرتے ہیں، (مثلاً ملاحظہ ہو: متحدہ اسلام کا منشور، ص: ۳۷) یعنی ان کے نزدیک حدیث نبوی کی کوئی مستقل تشریعی حیثیت نہیں ہے وہ بس ایک نظیر کی حیثیت رکھتی ہے اور تاریخ ہے، یعنی اس کی راہ نمائی صرف عہد نبوی کے لیے محدود ہے۔

نظریۂ شاز کا تجزیہ:

چونکہ شاز صاحب صرف قرآن مجید کو ہی ماخذ دین (یا بالفاظ دیگر مصدر شریعت) مانتے ہیں، اس لیے ان

کے اس نظریہ کا تجزیہ قرآن کی روشنی میں ہی کیا جارہا ہے، جس کے بعد شاز صاحب کے اس مذکورہ بالا دعوے کی غلطی بالکل عیاں ہوجائے گی کہ: ''قرآن جو کہ اسلامی عقیدہ کا کامل اظہار ہے وہاں نہ تو نصًّا اور نہ ہی اشارۃً دین کے کسی دوسرے ماخذ کا کوئی ذکر ملتا ہے''۔

قرآن مجید کی متعدد آیات سے قرآن کے علاوہ ایک دوسرے ماخذ دین یا وحی کی اس دوسری قسم (یعنی غیر قرآنی وحی جسے اصطلاح میں وحی غیر متلو کہتے ہیں) کا ثبوت قطعی اور ناقابل تردید طور پر ملتا ہے، مثلاً سورۂ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیت ملاحظہ ہو:

وما جعلنا القبلة التی کنت علیها الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیه

(بقرہ:۱۴۳)

(ترجمہ) اور تم جس قبلہ پر (اب تک) تھے اس کو ہم نے اسی لیے مقرر کیا تھا تاکہ ہم یہ معلوم کریں کہ کون رسول کا اتباع کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے

یہ آیت ان آیات میں سے ایک ہے جو قبلہ کی تبدیلی کے وقت نازل ہوئی تھیں، ان آیات کے نزول تک قبلہ بیت المقدس تھا، اور ان آیات میں (مندرجہ بالا آیت سے اگلی آیت میں) مسجد حرام کو قبلہ بنادیا گیا، مذکورہ بالا آیت میں ارشاد ہوا ہے: **وما جعلنا القبلة التی کنت علیها** (اور تم جس قبلہ پر (اب تک) تھے اس کو ہم نے اسی لیے مقرر کیا تھا)، اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام سے پہلے قبلہ کچھ اور (بیت المقدس) تھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے ہی مقرر کیا تھا، لیکن اس پرانے قبلہ کو متعین کیے جانے کا ذکر ہم قرآن مجید میں کہیں نہیں پاتے، اس سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوجاتی ہے کہ جب قبلۂ اول کو قبلہ متعین کیا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم قرآن کے علاوہ اس 'دوسرے ماخذ دین' ومصدر شریعت (یعنی حدیث نبوی) یا بالفاظ دیگر غیر قرآنی وحی کے ذریعہ دیا تھا جس کو وحی اور ماخذ دین ماننے سے منکرین حدیث اور شاز صاحب انکاری ہیں، یعنی قرآن بھی قرآن کے باہر وحی کو موجود بتاتا ہے اور اس غیر قرآنی یا بالفاظ دیگر غیر متلو وحی کو دوسرا ماخذ دین بتاتا ہے، اور یہیں پر بس نہیں کرتا، بلکہ اس غیر قرآنی وحی کے ذریعہ دیے گئے اس حکم کو رسول کا اتباع کرنے والوں اور رسول کا اتباع نہ کرنے والوں کے درمیان فرق کرنے کی ایک کسوٹی بھی قرار دیتا ہے، ارشاد ہوا ہے: ''اور تم جس قبلہ پر (اب تک) تھے اس کو ہم نے اسی لیے مقرر کیا تھا تاکہ ہم یہ معلوم کریں کہ کون رسول کا اتباع کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے''۔

اسی طرح سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا ہے:

ولا تصلِّ علی احد منهم مات ابدا (توبہ:۸۵)

(ترجمہ) ان میں سے جو کوئی مرے آپ اس کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھیں۔

اس آیت میں رسول اللہ (ﷺ) کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے روکا گیا ہے، اس سے یہ بات اپنے

آپ معلوم ہوجاتی ہے کہ اس سے پہلے نماز جنازہ مشروع ہوچکی تھی، اور آپ (ﷺ) اسے پڑھا کرتے تھے، حالانکہ قرآن مجید میں اس سے پہلے کسی آیت میں نماز جنازہ کا حکم نہیں دیا گیا تھا، اس طرح معلوم ہوا کہ نماز جنازہ پڑھنے کا یہ حکم غیر قرآنی وحی میں دیا گیا تھا، اور امت کے لیے اس دینی حکم کا ماخذ قرآن نہیں ارشاد نبوی تھا۔

اسی طرح سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد (بقرہ:۱۸۷)

(ترجمہ) اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف کیے ہوئے ہوتو اس حال میں اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو۔

اس آیت میں اعتکاف کی بابت یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس کے دوران بیویوں سے زن وشو کے تعلقات نہ قائم کیے جائیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے امت تک اعتکاف کا دینی حکم پہنچایا جاچکا تھا، اور چونکہ کسی اور آیت قرآنی میں اعتکاف کا تذکرہ نہیں ہے اس لیے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اس حکم اعتکاف کا ماخذ غیر قرآنی وحی حدیث ہی تھی۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس طرح اپنا حکم قرآنی وحی کے ذریعہ اپنے رسول اور اس کے واسطہ سے اس کی امت کو دیتا ہے، اسی طرح غیر قرآنی وحی کے ذریعہ بھی اپنے بہت سے احکام رسول کو بتاتا ہے، اور امت رسول کے لیے ان احکام کا ماخذ قرآن نہیں ارشاد رسول (ﷺ) ہوتا ہے۔ ہم تو یہاں ان ہی دو آیات پر اکتفا کررہے ہیں، مزید مثالوں کے خواہش مند حضرات حجیت حدیث کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں ایسی اور آیات کا ذکر دیکھ سکتے ہیں، آسانی سے دستیاب کتابوں میں مولانا تقی عثمانی کی ایک انگریزی تصنیف کے اردو ترجمہ حجیت حدیث میں بھی ایسی متعدد آیات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

قرآن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غیر کتابی وحی کا وجود اور اس کا ماخذ دین ہونا شریعت محمدی ہی کی خاصیت نہیں ہے، بلکہ تمام شریعتوں میں ایسا ہوتا آیا ہے، یعنی پچھلے انبیا پر بھی کتاب اللہ کے علاوہ وحی نازل ہوتی تھی، اور ایسی وحی شریعت میں ماخذ دین کی حیثیت رکھتی تھی، مثلا قرآن سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو تورات مصر سے ہجرت کرجانے کے بعد ملی تھی (ملاحظہ ہو سورہ اعراف: ۱۳۸-۱۴۵)، لیکن یہی قرآن بتاتا ہے کہ مصر کے زمانۂ قیام میں بھی اور اس سے بھی پہلے مدین سے واپسی کے سفر میں حضرت موسیٰ کو بذریعہ وحی متعدد دینی احکام دیے گئے، اور ایسی وحی ان کے لیے اور ان کی امت کے لیے ماخذ دین تھی، مثلاً فرعون اور اس کی قوم کو ایمان لانے کا حکم دیا گیا، اس حکم کا ماخذ غیر کتابی وحی ہی تھی، جو حضرت موسیٰ پر مدین سے واپسی میں طوی کی وادی مقدس میں نازل ہوئی تھی، اور اس کو نہ ماننے کی پاداش میں اللہ نے اس کی پکڑ کی، (ملاحظہ ہو: سورہ طہ:۹-۱۲، سورہ نازعات:۱۷-۲۶) اسی طرح بنی

اسرائیل کو نماز جیسی عبادت اور ہجرت جیسے فریضہ کا حکم دیا گیا، تو اس کا ماخذ بھی یہی غیر کتابی وحی تھی جو تورات کے نزول سے بہت پہلے نازل ہوئی تھی (ملاحظہ ہو: سورہ طٰہٰ: ۷۷، یونس: ۸۷)۔ قرآن میں اس کی اور بہت سی مثالیں موجود ہیں، لیکن ہم اس مختصر تحریر میں اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

اس دوسرے ماخذدین کی حیثیت:

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے بعد یہ بات تو بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ شریعت اسلامی کا ماخذ قرآن کے علاوہ رسول اکرم (ﷺ) کی وہ احادیث بھی ہیں جن میں آپ (ﷺ) غیر قرآنی احکام بیان فرماتے ہیں، اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اس دوسرے ماخذ دین کی حیثیت کیا ہے؟

قرآن نے بلا مبالغہ بیسیوں آیات میں اللہ کی اطاعت (جس کا مطلب قرآنی احکام کی بجا آوری ہے) کے ساتھ ساتھ رسول کی اطاعت کا یعنی ان احکام شریعت کی بجا آوری کا بھی حکم دیا ہے جو امت تک رسول اللہ (ﷺ) کی زبانی پہنچے ہیں اور جن کا کوئی تذکرہ قرآن میں نہیں ہے۔ مثلاً سورہ انفال میں ارشاد ہوا ہے:

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ ورسولہ (انفال:۲۰)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو۔

یہ صرف ایک آیت میں دیا گیا حکم نہیں ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا بیسیوں آیات قرآنی میں یہ حکم دیا گیا ہے، بلکہ قرآن بتاتا ہے کہ رسولوں کو بھیجنے کا سبب ہی یہ ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے، اور ان کے ذریعہ ملنے والے احکام کی اطاعت ہو،

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع (احزاب:۳۶)

اور ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے اسی لیے بھیجے تاکہ اس کا کہنا مانا جائے۔

اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت نہیں کرتے، یعنی اللہ یا اس کے رسول کے بتائے ہوئے احکام پر عمل نہیں کرتے قرآن ان کی بابت بتاتا ہے کہ وہ شدید گمراہ اور دائمی جہنمی ہیں، ارشاد ہوا ہے:

ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا

(احزاب:۳۶)

اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں گرفتار ہوگا۔

ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جھنم خالدین فیھا ابدا (جن:۲۳)

اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہے گا۔

....

حدیث نبوی کی تشریعی حیثیت کی بابت شاذ صاحب کے نظریہ کا جائزہ لیتے ہوئے جو کچھ اوپر تحریر کیا گیا ہے امید ہے کہ اس کو پڑھ کر ہر صاحبِ انصاف اس نتیجہ تک پہنچے گا کہ حدیث نبوی دین کا دوسرا ماخذ ہے، اور جو لوگ صرف قرآن کو ہی ماخذ دین مانتے ہیں، اور حدیثِ نبوی کو یہ حیثیت نہیں دیتے قرآنی دلائل ہی ان کے اس زعم کو غلط، باطل اور گمراہی قرار دیتے ہیں۔

☆☆☆

نقد ونظر

مسئلہ فلسطین اور راشد شاز کے افکار: ایک جائزہ

شاز صاحب کی مسلمانوں سے فلسطین میں مزاحمت ختم کرنے کی اپیل

محمد غزالی ندوی

شاز صاحب نے جہاں مسجد اقصیٰ کی عظمت پر تیشہ چلانے، اس کی تاریخی حیثیت کو ختم کرنے اور اس سے جڑی اسلامی یادوں کو مشکوک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہیں فلسطین میں جاری موجودہ مزاحمت میں شگاف ڈالنے کے لیے انہوں نے ایک سیاسی قسم کا داؤ بھی کھیلا ہے۔انہوں نے مسلمانوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ''دنیا میں قیام امن کی ذمہ داری دوسری اقوام کے مقابلہ میں ان پر کہیں زیادہ عاید ہوتی ہے''،اس لیے مزاحمت کی راہ ترک کر دینی چاہیے۔مزاحمت سے روکنے کے لیے شاز صاحب نے آخری درجہ کی تلبیسی اور تشکیکی مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ مزاحمت ایک دفاعی عمل ہے جس کی وجہ سے ہم پسپائی کا شکار ہیں،اس لیے ہمیں دفاعی عمل سے آگے بڑھ کر اقدامی عمل کرنے کی ضرورت ہے۔کیا آپ جانتے ہیں کہ شاز صاحب کے نزدیک اقدامی عمل کیا ہے؟ وہ اقدامی عمل ہے اہل یہود سے مکالمہ،ان سے گفت وشنید،ان سے رحم کی بھیک مانگنا،ان سے دست بستہ جنگ بندی کی درخواست کرنا،ان کے سامنے اپنے پرانے احسانات کی دہائی دینا،ان کو اپنے اچھے انسان ہونے کی یقین دہانی کرانا۔یہ سب چیزیں شاز صاحب کے نزدیک وہ اقدامی عمل ہیں جسے مزاحمت ترک کر کے مسلمانوں کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔بقول شاز:

''مسلم اہل فکر نہ صرف یہ کہ صورت حال کی نزاکت سے پوری طرح آگاہ نہیں بلکہ من حیث الأمت اب تک اس سلسلہ میں ہمارا رویہ دفاعی نوعیت کا رہا ہے۔ہم گزشتہ پچاس ساٹھ سالوں سے دوسروں کے اقدامی عمل پر اپنی مزاحمت درج کراتے رہے ہیں،نتیجہ یہ ہے کہ ہم مسلسل پسپائی کے شکار خود کو ایک ایسی بند گلی میں پاتے ہیں جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سنگین صورت حال کا ٹھنڈے دل ودماغ کے ساتھ گہرائی سے تجزیہ کیا جائے،جب ہی ہم مسئلہ پر کسی اقدامی عمل کی پوزیشن میں ہو سکتے ہیں''۔(راشد شاز: اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید،نئی دہلی ۲۰۰۸ء ص ۱۰۲)

دوسری جگہ وہ اس اقدامی عمل کی وضاحت کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:

''سچ پوچھے تو اب تک مسئلہ فلسطین پر مسلمان محض مزاحمت کی پالیسی پر عمل پیرا رہے ہیں وہ دوسروں کی پیش کردہ تجاویز پر ہی ردعمل ظاہر کرتے رہے ہیں، شاید اب وقت آپہنچا ہے کہ مسلمانوں کے اہل فکر کمال ہمدردی اور نصح وخیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ یہودی ذہن کو ان اساطیری گرداب سے نجات دلانے کے لیے سامنے آئیں جس نے نہ صرف یہ کہ یہودی دنیا کو ایک سراب مسلسل کے تعاقب میں مبتلا کر دیا ہے بلکہ اس خیال نے توحید کی حامل دو قوموں کو گذشتہ نصف صدی سے باہم برسرپیکار کر رکھا ہے۔ خیر امت کی حیثیت سے مسلمانوں کا یہ دینی فریضہ ہے کہ وہ علمائے اہل کتاب کو ان التباسات فکری سے نکلنے میں مدد دیں جس کے سبب آنے والے دنوں میں فلسطین کی سرزمین کے ملحمۂ کبریٰ میں تبدیل ہو جانے کا خطرہ ہے، اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ جب مسلم اہل فکر اہل یہود کے خدا ترس علماء کا موقف سمجھنے کے لیے انہیں مکالمے کی دعوت دیں، ہماری طرف سے اہل یہود کو یہ پیغام جانا چاہیے کہ ہم کوئی اور نہیں براہیمی سلسلہ کے آخری امین ہیں، اگر تمہاری توقعات کے مطابق آنے والے دنوں میں مسیح کا واقعی ظہور ہو جاتا ہے تو ہم حضرت مسیح پر بیت المقدس کا سنہری دروازہ بند کرنے کی جسارت کیسے کر سکتے ہیں۔ کیا اہل یہود کے حق پرست افراد ہماری صدیوں پر محیط فیاضانہ میزبانی سے انکار کر سکتے ہیں؟ کیا وہ ہم نہیں تھے کہ جب خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ کی قیادت میں فلسطین میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے تو Mount morya کی عظمت کی بحالی کی خاطر اسے دوبارہ خدائے واحد کے سجدوں سے آباد کیا تھا تب ہمیں یہ گوارا نہ ہوا کہ داؤدؑ وسلیمانؑ کی باقیات کو کوڑے کرکٹ کا ڈھیر بنا رہنے دیں''۔ (راشد شاز: اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید، نئی دہلی ۲۰۰۸ء ص ۱۰۷-۱۰۸)

شاز صاحب کا ماننا ہے کہ اس طرح کی چکنی چپڑی باتیں اور خوشامدانہ الفاظ وہ اقدامی عمل ہیں جو مزاحمت کے دفاعی عمل سے کہیں زیادہ مؤثر ہیں اور ان سے وہ کام ہوسکتا ہے جو پچاس ساٹھ سالوں کی مزاحمت سے ممکن نہ ہوسکا۔

شاز صاحب کی ان تلبیسات پر تین پہلوؤں سے غور کرنے کی ضرورت ہے:

ا۔ ظالم صرف طاقت کی زبان جانتا ہے، جب کوئی ظلم اور تشدد پر آمادہ ہو تو اس سے جنگ بندی کی درخواست نہیں کی جاتی، اسے اپنے پرانے احسانات نہیں یاد دلائے جاتے، ایسا کرنا اسے ظلم پر مزید دلیر کر دیتا ہے اور مظلوم کے ضعف کا احساس دلاتا ہے، اس وقت تو اسے صرف ایسی ضرب کی ضرورت ہوتی ہے جو دماغ سے ظلم کا ہر خیال اور اقتدار حاصل کرنے کی ہر خواہش نکال دے، ظالم سے رحم کی ہر درخواست بے کار ہوتی ہے، جب کوئی ظلم کرتے ہوئے آپ کی سرزمین پر ناجائز طور پر قابض ہو جائے تو طاقت کی زبان کے سوا کوئی دوسری چیز اسے وہاں سے نہیں ہٹا سکتی، اسرائیل کا وجود ہی مسلمانوں کی سرزمین غصب کرنے سے ہوا ہے، ورنہ چند دہائیوں پہلے اس کا کوئی وجود نہیں تھا، اب شاز صاحب ہی بتائیں کہ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے دست بستہ درخواست کرنے سے سارے یہودی اسرائیل سے اپنا بوریہ بستر باندھ لیں گے اور جہاں سے وہ اسرائیل آئے تھے وہاں کوچ کر جائیں گے، اپنے سارے ایٹم بم نیست ونابود کر دیں گے اور ملک اسرائیل مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے، اگر واقعتاً شاز صاحب ایسا سوچتے ہیں تو وہ بیوقوفوں کی جنت میں رہتے ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر گفت وشنید کے کیا معنیٰ؟ اگر اسرائیل اپنا ناجائز وجود اور مسلمانوں کی املاک پر ناجائز قبضہ

ہٹانے کے لیے تیار نہیں ہوسکتا تو پھر گفت وشنید اور دست بستہ رحم اور جنگ بندی کی درخواست کیا اس لیے کی جائے کہ حضور مزید ظلم مت کیجئے، اور پھر ایسی صورت میں مزاحمت ختم کرنے کے اس کے سوا اور کیا معنی ہو سکتے ہیں کہ جو کچھ بچا کھچا مسلمانوں کے پاس ہے اس پر بھی ظالم کو ہاتھ صاف کرنے کا موقع دے دیا جائے۔ رہا مسئلہ شاز صاحب کے اس جملہ کا کہ خدا ترس یہودیوں سے مکالمہ کیا جائے تو اگر وہ خدا ترس ہوتے تو مسلمانوں کی املاک پر ناجائز قبضہ کرکے اسرائیل بناتے ہی کیوں؟ جب اسرائیل بناتے وقت اور مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارتے وقت اور لاکھوں عربوں کو فلسطین سے جلا وطن کرتے وقت وہ خدا ترسی کا مظاہرہ نہیں کر سکے تو کیا آج ایک سلطنت بنا لینے کے بعد اور جوہری طاقت کے مالک ہو جانے کے بعد ہماری فریادیں انھیں خدا ترس بنا دیں گی، اور وہ سب کچھ چھوڑ کر اپنے وطن واپس ہو جائیں گے۔ پھر سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ یہودیوں میں اب خدا ترس ہے کون؟ قرآن کے نزول کے بعد جو قرآن پر ایمان نہ لائے وہ خدا ترس نہیں ہو سکتے، سورہ بقرہ کے شروع میں جہاں متقین (خدا ترس) کی صفات بیان کی گئی ہیں وہاں کہا گیا ہے: ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ﴾[البقرۃ/۴] کہ خدا ترس وہ ہیں جو اس پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا ہے، اس آیت کی بناء پر جو یہودی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے وہ خدا ترس کیسے ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح سورہ نساء آیت نمبر/۴۷ میں یہود ونصاریٰ کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے: ''اے وہ لوگو! جنھیں کتاب دی گئی تھی، مان لو اس کتاب کو جو ہم نے اب نازل کی ہے اور جو اس کتاب کی تصدیق و تائید کرتی ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود تھی۔ اس پر ایمان لے آؤ قبل اس کے کہ ہم چہرے بگاڑ کر پیچھے پھیر دیں یا ان کو اسی طرح لعنت زدہ کر دیں جس طرح سبت والوں کے ساتھ ہم نے کیا تھا، اور یاد رکھو کہ اللہ کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے''۔ اس آیت کی روشنی میں بھی جو یہودی قرآن پر ایمان نہ لائیں وہ خدا ترس کیسے ہو سکتے ہیں؟

۲۔ دوسری بات جو غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اس عبارت میں شاز صاحب نے خواہ مخواہ اصل موضوع سے توجہ ہٹانے کی کوشش کی ہے، یہودیوں کی جنگ اور ان کی ظلم و بربریت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کو مسلمانوں کی طرف سے اس بات کا خدشہ ہو کہ مسیح کی آمد کی صورت میں مسلمان مسیح پر بیت المقدس کا دروازہ بند کر دیں گے بلکہ ان کی ساری دہشت گردیوں کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں پر ناطقہ بند کرکے چاہتے ہیں کہ کسی طرح سارے مسلمان فلسطین سے کوچ کر جائیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ کو ڈھا کر مزعومہ ہیکل سلیمانی کی از سر نو تعمیر کریں، اور مسلمانوں کی ان سے جنگ کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی سرزمین پر ناجائز قبضہ کرکے اسرائیل کو وجود بخشا ہے، ان سے جنگ کی وجہ یہ ہے کہ آئے دن مسجد اقصیٰ میں گھس کر اس کی بے حرمتی کرتے ہیں اور اس میں یہودی رسوم کے مطابق عبادات انجام دیتے ہیں، ان سے نفرت کی وجہ ہے کہ انہوں نے مسجد اقصیٰ کے نیچے اور اس کے ارد گرد علاقوں میں سرنگیں کھود کر اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا ہے تاکہ کسی طرح مسجد اقصیٰ گر جائے، شاز صاحب نے مسئلہ کو over simplify کرنے کی کوشش کی ہے، ورنہ یہ وہ بنیادی باتیں ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین جنگ جاری ہے، جب تک یہ اسباب ختم نہیں ہوں گے جنگ کے ختم ہونے کا کوئی امکان نہیں، ان حقیقی اسباب سے صرف نظر کرکے کوئی گفتگو کرنا اور مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرنا ایسی خوش خیالی میں جینا ہے جس کا عملی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔

۳۔ تیسری بات جو غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ شاز صاحب اس قوم سے مفاہمت اور مکالمہ کی بات کر رہے ہیں کہ بجز چند کے جن پر انبیاء کی نصیحتیں بھی کارگر نہ ہوئیں، انہوں نے اپنی سب سے محسن شخصیات کو تکلیف پہنچانے سے بھی دریغ نہ کیا، قرآن نے کتنے بلیغ انداز میں یہ بات کہی ہے:

﴿لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلاً كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لاَ تَهْوَى أَنْفُسُهُمْ فَرِيقاً كَذَّبُواْ وَفَرِيقاً يَقْتُلُونَ﴾۔[المائدة ۷۰]

ترجمہ: ''ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف سے رسول بھیجے مگر جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول ان کی خواہشات نفس کے خلاف کچھ لے کر آیا تو کسی کو انھوں نے جھٹلایا اور کسی کو انھوں نے قتل کر دیا''۔

اب شاز صاحب ہی بتائیں کہ جو قوم اپنی مرضی کے خلاف کچھ بولنے پر اپنے محسن انبیاء کو قتل کر دیتی ہو کیا وہ مسلمانوں سے مکالمہ کر کے اسرائیل چھوڑ کر چلی جائیگی اور مسجد اقصیٰ کو منہدم کرنے کے ارادے سے باز آجائے گی؟ جب یہ نہیں ہوسکتا تو مسلمانوں سے مزاحمت ختم کرنے کی اپیل کے کیا معنیٰ، اور یہود کو خدا ترس ثابت کرنا چہ معنیٰ دارد؟

جس قوم نے اپنی تاریخ کے سب سے محسن انسان حضرت موسیٰؑ کی فہمائش نہ سنی ہو اور ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہو اور یہ کہہ دیا ہو﴿ فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴾[المائدۃ ۲۴] ترجمہ: ''بس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں''۔ وہ کیا مسلمانوں کی دست بستہ درخواست پر کان دھرے گی، شاز صاحب کہتے ہیں کہ خدا ترس یہودیوں سے مکالمہ کیا جائے میں عرض کرتا ہوں کہ جب اس قوم نے حضرت موسیٰؑ کی بات ماننے سے انکار کیا تھا اس وقت ان میں خدا ترس موجود تھے اور انہوں نے بھی اپنی قوم کو سمجھایا تھا﴿قَالَ رَجُلاَنِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُواْ عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ وَعَلَى اللّهِ فَتَوَكَّلُواْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ [المائدة ۲۳] لیکن اس قوم نے ان کی بات بھی نہ مانی تھی تو جس قوم پر موسیٰ اور موسیٰ کے زمانہ کے خدا ترس لوگوں کی بات نہ اثر کرے اس سے آج کیا توقعات قائم کی جاسکتی ہیں؟

جس قوم نے اپنے نبی حضرت موسیٰ کو اتنا ستایا ہو کہ انہیں مجبوراً کہنا پڑا ہو﴿ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَد تَّعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ ﴾ [الصف ۵] ترجمہ: ''اے میری قوم کے لوگو! تم کیوں مجھے اذیت دیتے ہو حالاں کہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں''۔ اس سے آج مظلوم ومقہور مسلمانوں کے تعلق سے کسی سلوک کی توقع کی جاسکتی ہے؟

جو قوم اتنی بد بخت ہو کہ حضرت عیسیٰ کی دل کو پگھلانے والی باتیں اس پر اثر انداز نہ ہوسکی ہوں اس پر مسلمانوں کی گفت وشنید کیوں کر اثر انداز ہوسکتی ہے، حضرت عیسیٰ نے کتنی دل کو چھو لینے والی باتیں ان سے کہی تھیں لیکن پھر بھی انہوں نے ان کو نبی ماننے سے انکار کر دیا تھا، اب کیا مسلمانوں کے لیے ایسی صورت میں ان سے کسی امید کی گنجائش ہے؟ قرآن میں حضرت عیسی کا قول سورہ آل عمران میں مذکور ہے، انھوں نے یہودیوں سے کہا تھا ''میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں، میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے

کی صورت کا ایک مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں، وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور اس کے اذن سے مردے کو زندہ کرتا ہوں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔ اس میں تمہارے لیے کافی نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔ اور میں اس تعلیم وہدایت کی تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں جو توراۃ میں سے اس وقت میرے زمانہ میں موجود ہے۔ اور اس لیے آیا ہوں کہ تمہارے لیے بعض ان چیزوں کو حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئیں ہیں۔ دیکھو، میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں، لہذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، لہذا تم اسی کی بندگی اختیار کرو، یہی سیدھا راستہ ہے"۔ جب عیسیٰ نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفر و انکار پر آمادہ ہیں تو اس نے کہا: کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے، حواریوں نے جواب دیا: ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے، آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلم ہیں"۔ [المائدہ/۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲]

اب آپ ہی بتایئے کہ جس قوم پر حضرت عیسیٰ کی باتیں اثر انداز نہ ہوسکی ہوں وہ کیا مسلمانوں کی باتوں سے رام ہو جائیں گے۔

سب سے آخر میں یہ دیکھئے کہ رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ مدینہ میں کس قدر فیاضی ومہربانی کا معاملہ فرمایا تھا لیکن پھر بھی اول تو انہوں نے آپ ﷺ کو نبی ماننے سے انکار کر دیا، ثانیاً تینوں یہودی قبیلوں نے یکے بعد دیگرے ایسی بدعہدی کی کہ پہلے بنو قینقاع کو مدینہ سے جلاوطن کرنا پڑا پھر بنونضیر کو اور آخر میں بنو قریظہ کو عبرتناک سزا دینی پڑی، بنونضیر کی جلاوطنی کا تذکرہ سورہ حشر کی ابتدائی آیات اور بنو قریظہ کی عبرتناک سزا کا تذکرہ سورۂ احزاب کی ان آیات میں ہے ﴿وَأَنزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُم مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقاً تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقاً وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضاً لَّمْ تَطَؤُوهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيراً﴾ [الاحزاب/۲۶، ۲۷]، ترجمہ: "پھر اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا، اللہ ان کی گڑھیوں سے انہیں اتار لایا اور ان کے دلوں میں اس نے ایسا رعب ڈال دیا کہ آج ان میں سے ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قید کر رہے ہو۔ اس نے تم کو ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور وہ علاقہ تمہیں دیا جسے تم نے کبھی پامال نہ کیا تھا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

غور کیا جاسکتا ہے کہ جس قوم پر رحمۃ للعالمین ﷺ کے مکالمے، گفت وشنید، فیاضیاں اثر انداز نہ ہوسکی ہوں وہ غلامان رسول سے کیوں کر متاثر ہو کر ان پر مہربان ہوسکتی ہے؟

مذکورہ تینوں پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فلسطین کے تعلق سے یہودیوں سے کسی طرح کی مفاہمت ممکن نہیں۔ ان کے ناجائز قبضہ کو ختم کرنے کا ایک ہی ذریعہ مزاحمت ہے، جو جاری ہے، اور دیر سویر ضرور رنگ لائے گی۔

☆☆☆

تجزیہ

احناف کے ائمۂ ثلاثہ اور علم حدیث

رحمت اللہ ندوی
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اس سے قبل ناچیز کی ایک تحریر ''امام ابوحنیفہؒ اور علم حدیث'' کے عنوان سے کئی رسالوں میں اشاعت پذیر ہو چکی ہے، جو ایک خاص پس منظر میں لکھی گئی تھی، اس کے بعد خیال آیا کہ امام صاحبؒ اور ان کے دونوں نامور شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد کے متعلق یہ واضح کر دیا جائے کہ یہ حضرات پہلے محدث پھر فقیہ ہیں۔

حنفیت پر خصوصیت سے دو اعتراض ہمیشہ سے کئے جاتے رہے، ایک یہ کہ فقہ، حدیث کے بالکل مخالف ہے، دوسرے یہ کہ اس کی تمام تر بنیاد قیاس واجتہاد پر ہے، آخری اعتراض کی کوئی حیثیت اور وزن اس لئے نہیں ہے کہ امت میں طے شدہ فیصلہ کے مطابق اسلامی قانون کے عناصر اربعہ میں قیاس خود بنیادی حیثیت کا مالک ہے، پس قیاس پر مبنی مسائل عناصر اربعہ سے باہر یا مخالف کوئی چیز نہیں، چاروں فقہاء نے قیاس سے کام لیا ہے، رہ گیا کثرت وقلت کا معاملہ کہ کسی نے قیاس سے زیادہ کام لیا اور کوئی قیاس سے کم کام لیتا ہے، تو یہ نکتہ چینیوں کی بنیاد نہیں بن سکتا، اور اول الذکر اعتراض یعنی امام اعظمؒ کا فقہ، حدیث کے مخالف ہے، تو شاید ہی دنیا میں اس سے بڑھ کر جھوٹ بولا گیا ہو۔ حدیث کی امہات کتب میں طحاوی کی ''معانی الآثار'' مولانا شوق نیمویؒ کی ''آثار السنن'' ''حضرت تھانویؒ کی ''اعلاء السنن'' مولانا عبداللہ نقشبندی کی ''زجاجۃ المصابیح'' وغیرہ حنفی فقہ پر چلے چلائے اسی اعتراض کا شافی جواب ہیں۔ ''فقہ حنفی حدیث کے موافق ہے، مخالف قطعاً نہیں'' اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا: (مولانا منظور نعمانیؒ ناقل ہیں)

''ہم نے اپنی عمر کے تیس سال یہ دیکھنے کے لئے صرف کر دیئے کہ فقہ حنفی حدیث کے مطابق ہے یا نہیں؟ سو ہم اپنی تیس سالہ محنت کے بعد قطعاً مطمئن ہیں، جہاں جس درجہ کی حدیث دوسرے فقہا کے پاس ہے، اس درجہ کی حدیث امام ابو حنیفہؒ کے پاس بھی ہے اور جہاں حدیث نہ ہونے کی بنا پر امام اعظمؒ نے مسئلہ کی بنیاد قیاس واجتہاد پر رکھی ہے، وہاں دوسروں کے پاس بھی حدیث نہیں''

ایک دوسرے موقعہ پر یہ بھی فرمایا کہ ''میں اپنی طویل کاوشوں کے نتیجہ میں مطمئن ہوں کہ فقہ حنفی مضبوط احادیث سے مؤید ہے'' (نقش دوام ص ۱۷۵)۔

یہ اس شخص کی شہادت ہے جس کا دماغ ایک کتب خانہ تھا، اور علم کی کوئی کتاب جس وقت اپنے دماغ کے کتب خانہ سے اٹھانا چاہتا، بے تکلف اٹھالیتا، اور حافظہ اسلاف کا سا ملا تھا، وہ خود فرماتے تھے کہ ''جس کتاب کا سرسری طور پر مطالعہ کر لیتا ہوں پندرہ سال تک بقید صفحات اس کے مضامین محفوظ رہ جاتے ہیں'' اسی غیر معمولی یادداشت کا نتیجہ تھا کہ کوئی شخص آپ کو کسی وقت کسی کتاب کے حوالہ یا کسی مضمون کی نقل میں دھوکہ نہیں دے سکتا تھا۔ بے نظیر حافظہ پایا تھا، وسعت نظر اور سرعت مطالعہ بہت تھی، ایک جامع الفنون شخصیت کے مالک تھے، طبعیات، الٰہیات، سلوک وتصوف، نجوم، رمل، جفر، قیافہ، علم ہندسہ، ریاضی اور اسکی دیگر شاخیں، علم مناظرہ، علم بلاغت، علوم عربیہ اور دینیات میں مہارت، مطالعۂ کتب میں وسعت اور علمی جامعیت رکھتے تھے، یومیہ دوسو صفحے یا اس سے زائد مطالعہ کی اوسط تھی، پھر خود فیصلہ کریں کہ تیس سال میں کتنے صفحات کا مطالعہ صرف فقہ حنفی کی تحقیق واثبات کے لئے کیا ہوگا؟

یوں تو امام ابو حنیفہؒ کی صفات ذات گرامی کے حسب ونسب سے لیکر ان کی شخصیت، علم، تفقہ، دیانت وتقویٰ، رائے اور حزانت، سب پر اعتراض کئے گئے، ان کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو مخالفین کی نکتہ چینیوں سے محفوظ رہا ہو، لیکن ایک عام اعتراض اس جلیل القدر امام پر مسلسل یہ کیا جارہا ہے کہ حدیث سے وہ سراسر ناواقف تھے یا ان کے فقہ کی تمام بنیاد ذاتی رائے اور قیاس پر ہے، یہ اعتراض حماقت کا ایک شاہکار اور سفاہت کا شاندار نمونہ تو قرار دیا سکتا ہے، عقلمندی اور دانائی کی بات نہیں ہوسکتی، سچ ہے۔ ''دروغ گورا عقل نہ دارد''۔ بھلا اسلامی فقہ کا استخراج واستنباط کرنے والا حدیث سے کس طرح بے نیاز ہوسکتا ہے، فقہ کی چار اہم بنیادیں (قرآن، حدیث، اجماع امت اور قیاس) قرار دے کر پھر امام ابو حنیفہؒ کے فقہ کو مستقل فقہ مانتے ہوئے حدیث جیسے اہم جزء سے بے اعتنائی کا الزام آخر کس معقول بنیاد پر ہوسکتا ہے۔ مگر جہاں نبی کو کاہن، ساحر اور شاعر کہنے والے اور قرآن حکیم کو اساطیر الاولین بتانے والے موجود رہے اور ان کی ناگفتنی کو بھی سننا پڑا تو غریب امام ابو حنیفہؒ کے متعلق اگر کچھ کہا جارہا ہے تو خواہی نخواہی اسکو بھی سننا ہوگا۔ امام صاحب پر یہ الزام کہ انھوں نے حدیث سے ہٹ کر رائے وقیاس سے فقہ کی تعمیر کی ہے، دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ نے ''فتاوی دارالعلوم دیوبند'' جلد اول کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے:

''امام اعظم ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب پہلے محدث پھر فقیہ تھے، اس لئے کہ جس زمانہ میں احادیث کے مجموعے پائے نہیں جاتے تھے بغیر علم حدیث کے مسائل کا استخراج کہاں سے ہوسکتا تھا، ''فقہ حنفی'' کا اتنا عظیم الشان ذخیرہ، جس سے ساری دنیا اور بعد کے مجتہدین نے اپنے زمانہ میں استفادہ کیا، بغیر حدیث کے کہاں سے آگیا، اور آج اس کے سارے مسائل واصول کس طرح حدیث کے مطابق ہوگئے، لہذا ماننا پڑے گا کہ ''فقہ حنفی'' کتاب وسنت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے......آج بھی فقہ حنفی کا کوئی طالب علم اس

وقت تک مطمئن نہیں ہوتا جب تک ایک ایک مسئلہ حنفی کی تحقیق کتاب و سنت کی روشنی میں نہیں کر لیتا۔'' (مقدمہ فتاوی دارالعلوم ج اص ۵۷، طبع دوم)۔

یہ کہنا اور پروپیگنڈہ کرنا کہ ان حضرات کو احادیث نبوی سے اتنا شغف نہیں تھا جتنا فقہ سے، درست نہیں، اور نہ یہ کہنا بجا ہے کہ ان حضرات کی تمام تر توجہ آیات اور احادیث سے مسائل واحکام کے استنباط واستخراج پر مرکوز تھی اور تدوین و جمع احادیث سے ان کو کوئی دلچسپی نہ تھی، ایسا کہنا آنکھوں میں دھول جھونکنا اور اپنی جہالت کو مستند بنا کر عدم واقفیت پر ثبوت فراہم کرنا ہے، کیونکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ جمع حدیث میں اہم کام اسناد اور رواۃ پر نظر ہے اور سچ پوچھئے تو یہی معیار ہے، امام اعظمؒ کے دور میں جس وقت تابعین کا بڑا طبقہ بقید حیات تھا، اسناد ورواۃ کی اس بحث کی گنجائش ہی نہیں تھی، جو بعد کے ادوار میں ہوئی، صحابہؓ کے متعلق یہ مسلم ہے " الصحابة كلهم عدول " (صحابہ کرامؓ سب کے سب عادل ہیں) رہ گئے تابعین تو یہ موجود ہی تھے، پھر یہ امر بھی غور طلب ہے کہ جب فقہ کی تدوین آیات واحادیث سے ہی ہو رہی تھی تو ان چیزوں سے بے توجہی کا موقع بھی کیا تھا، اس لئے کہ اس کام میں سب سے زیادہ احادیث ہی کی ضرورت پڑتی ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ امام صاحب اور آپ کے اصحاب نے احادیث کے ساتھ بھی اپنے دور کے مذاق کے مطابق وہی شغف رکھا جو رکھنا چاہیے تھا، اس پر امام اعظمؒ کی '' جامع المسانید'' اور امام ابو یوسف اور امام محمد کی '' کتاب الآثار، کتاب الخراج، کتاب الرد علی سیر الاوزاعی، کتاب الحجج، مائوطا امام محمد اور دوسری کتابیں شاہد عدل ہیں، جن سے ان کے ذوقِ حدیث کا پتہ چلتا اور بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

'' مشہور ہے کہ امام صاحب کی فن حدیث میں کوئی تصنیف نہیں ہے اور صحاح ستہ میں بجز ایک دو جگہ کے ان کا نام تک نہیں پایا جاتا، سب سے زیادہ یہ کہ ان کی شہرت اہل الرأی کے لقب سے ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث سے امام صاحب کو تعلق کم تھا، مگر واقعہ ہے کہ کچھ دانستہ اور نادانستہ طور پر یہ ایسی غلط فہمی ہے کہ جس کا پردہ چاک کرنے کی ضرورت ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اور علماء محققین نے مجتہد کی تعریف یہ کی ہے کہ مجتہد وہی شخص ہوسکتا ہے جو قرآن، حدیث، آثار، تاریخ، لغت وقیاس، ان پانچ چیزوں پر کافی عبور رکھتا ہو، امام صاحبؒ کے مجتہد مطلق ہونے پر امت کا اجماع ہے، اس کے بعد ان پر قلت حدیث کا طعن نادانی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے،'' (محدثین عظام ص ۵۷)

اما صاحب پر ایک بے بنیاد الزام یہ ہے کہ انھوں نے قیاس واجتہاد کی دقیق راہ کھولی اور وہ قیاس کے مقابلے میں حدیث کو قبول نہیں کرتے (معاذ اللہ) حافظ ابن عبدالبر مالکی نے ''الانتقاء'' میں امام صاحبؒ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ " لعن الله من يخالف رسول الله صلى الله عليه وسلم ، به أكرم منا الله ، وبه استنقذنا" (اللہ کی لعنت ہو اس پر جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا ہو، آپ ہی کے ذریعہ ہمیں اللہ نے عزت بخشی اور آپ ہی کے

ذریعہ ہمیں (کفر وشرک سے) بچایا۔

علامہ شعرانیؒ نے ''میزان'' میں امام صاحبؒ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''واللہ! ہم پر جھوٹ و افتراء ہے جو شخص یہ الزام لگاتا ہے کہ ہم نص پر قیاس کو مقدم کرتے ہیں، کیا نص کے بعد بھی قیاس کی ضرورت ہے؟''

امام محمدؒ نے مبسوط میں تفصیل سے لکھا ہے کہ امام صاحب حدیث صحیح کے مقابل میں کسی بھی رائے کا اعتبار نہیں کرتے تھے، بلکہ علامہ حزمؒ نے فقہاء عراق کا اجماع نقل کیا ہے کہ وہ حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر ترجیح دیتے ہیں'' (محدثین عظام ص ٦۳)۔

عام طور پر یہ غلط فہمی ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف نہیں ہے؟ مگر واقعہ یہ ہے کہ امام صاحب نے جس طرح فقہ کو باقاعدہ مرتب و مدون کرایا، اس کو امام صاحب کے تلامذہ بالخصوص قاضی ابو یوسف و امام محمد نے اپنی تصانیف میں جمع کر دیا...... اسی طرح حدیث کا سرمایہ جو منتقل ہوتا چلا آرہا تھا، اس کو بھی باقاعدہ فقہی ترتیب پر مرتب کرایا۔

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

" من مناقب أبي حنيفة، التي انفرد بها أنه أول من دون علم الشريعة و رتبه أبوابا، ثم تبعه مالك بن أنسؒ في ترتيب المؤطا، ولم يسبق أبا حنيفة أحد" (امام ابوحنیفہ کے ان مناقب خصوصی میں سے جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور ان کو ابواب پر ترتیب دیا، پھر امام مالکؒ نے مؤطا کی ترتیب میں انھیں کی پیروی کی اور اس سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں)۔

علامہ کوثریؒ نے ان مسانید کی تعداد ۲۱ ر بتائی ہے اور فرماتے ہیں کہ ان سب کی مسانید متصل ہیں۔ (محدثین عظام ص ٦٤/ ٦٥)۔

ان مسانید کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اکثر روایات صرف دو واسطے سے آنحضرت ﷺ تک پہونچتی ہیں، اس سے اس کی صحت وقوت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ائمہ اربعہ میں صرف امام مالک اس خصوصیت میں شریک ہیں، اگر ان مرویات میں سب سے عالی یہی روایات ہیں، جبکہ امام اعظم کی مرویات میں وحدانیات بھی موجود ہیں۔

علامہ شعرانیؒ نے بڑے فخر وحسرت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ میں امام اعظم کی مسانید ثلاثہ کے صحیح نسخوں کی زیارت ومطالعہ سے مشرف ہوا، جن پر حفاظ حدیث کے دستخط تھے، علامہ کوثریؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے مسانید کو محدثین سفر وحضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے، اگرچہ امام صاحبؒ کے فقہی مسائل کے مقابلے میں ان کو زیادہ شہرت نہیں ہوئی مگر واقعہ ہے کہ بعد والوں کے لئے بہت بڑا نمونہ چھوڑ گئے۔

آج جو لوگ امام بخاریؒ پر ناز کرتے ہیں اور انھیں حجت مانتے ہیں وہ بھول جاتے ہیں کہ وہ امام ابوحفص کبیر حنفی کے شاگرد ہیں اور انھیں کے مشورہ نے امام بخاری کو اس منصب بلند پر فائز کیا، چنانچہ واقعہ مذکور اور مشہور ہے کہ ''امام بخاریؒ نے ابوحفص کبیر حنفیؒ سے کتاب الصلاۃ پڑھنی شروع کی تو ان سے ابوحفص کبیر حنفی نے فرمایا: تمہارے لئے علم حدیث کا

پڑھنا مناسب ہے، کیونکہ تمہارے اندر اس علم سے مناسبت پاتا ہوں، امام بخاریؒ نے اپنے استاد کا مشورہ قبول کیا، دنیا نے دیکھا وہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہوئے" (آداب المتعلمین ص۳۴، ادب سوم، اساتذہ کا ادب)۔

مؤلف "معین الحکم" امام علاء الدین ابوالحسن علی بن خلیل طرابلسی حنفیؒ لکھتے ہیں:

" إذا اتفق أصحابنا فی شئ قال أبو حنيفة، و أبويوسف و محمد رحمهم الله، لا ينبغی للقاضی أن يخالفهم برأيه.......... إذا كان يحفظ الحديث من حين سمع إلى أن يروى "(معین الحکام ص ۲۷)۔

(جب ہمارے اصحاب کسی چیز پر متفق ہو جائیں تو امام ابوحنیفہ، وابو یوسف اور محمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی کے لئے اپنی رائے سے ان کی مخالفت مناسب نہیں ہے کہ حق ان سے تجاوز نہیں کر سکتا، ابو یوسفؒ، صاحب حدیث تھے حتی کہ ان سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مجھے بیس ہزار منسوخ حدیثیں یاد ہیں، جب منسوخ ان کو اس مقدار میں یاد تھیں تو ناسخ روایات کے بارے میں کیا خیال ہے، اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ صاحب فقہ و معنی بھی تھے، امام محمد، صاحب قریحہ تھے، لوگوں کے حالات و عادات جانتے تھے، اور صاحب فقہ و معنی ہیں، اسی وجہ سے مسائل میں انھوں نے رجوع کم کیا ہے، وہ لغت کی معرفت میں پیش پیش اور آگے تھے اور ان کو احادیث سے واقفیت بھی تھی، اور امام صاحب ان سب میں آگے تھے، البتہ حدیث کے باب میں ان کا خاص مذہب و طریقہ تھا جس کی وجہ سے ان کی روایات کم ہیں اور وہ مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک حدیث کی روایات اسی وقت جائز ہے جب وہ سننے کے وقت سے لے کر روایت تک یاد رکھتا ہو)۔

خریبی کا قول ہے: " ما يقع فی أبی حنيفة الإحاسد أو جاهل " (امام ابوحنیفہؒ کے درپہ کوئی حاسد یا جاہل ہی ہوسکتا ہے) امام ابو یوسفؒ کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: " أول ما كتبت الحديث ، اختلفت إلى أبی يوسف ، وكان أميل إلى المحدثين من أبی حنيفة ومحمد " (سب سے پہلے جو میں نے حدیث لکھی، امام ابو یوسف کے پاس آنا جانا شروع کیا، وہ امام ابوحنیفہ و محمد سے زیادہ محدثین کی طرف مائل تھے) یحیی بن معین کہتے ہیں: " ما رأيت فی أصحاب الرأی أثبت فی الحديث، ولا أحفظ ، ولا أصح رواية من أبی يوسف " (اصحاب الرأی میں میں نے ابو یوسف سے بڑھ کر اثبت، احفظ اور اصح روایت کرنے والا نہیں دیکھا) امام محمدؒ نے امام مالکؒ سے ان کے پاس تین سال سے زیادہ رہ کر خصوصی استفادہ کیا، امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا گیا کہ یہ دقیق مسائل کہاں سے آپ کے ہاتھ لگے؟ فرمایا: محمد بن حسن کی کتابوں سے۔۔

یہ ایک مختصر اور سرسری جائزہ تھا، معترف کے لئے اتنا ہی کافی ہے اور ضدی وہٹ دھرم کے لئے ضخیم مجلدات بھی بے سود اور لا حاصل ہیں۔ اختلاف رائے کے باوجود حق کا اعتراف بڑی بات ہے۔

☆☆☆

سفرنامہ

مراکش ، دلکشا و دلکش

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

تیر نیم کش وہ تیر ہوتا ہے جو دل میں پیوست ہوجاتا ہے لیکن باہر نہیں نکلتا ہے اس لئے اس کی لذت خلش دل میں باقی رہ جاتی ہے جیسے کسی چشم فسوں ساز کی نظر، اسی لئے غالب نے کہا تھا

ترے تیر نیم کش کو کوئی میرے دل سے پوچھے
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

مراکش بھی ایک تیر نیم کش تھا، مراکش کا پانچ دنوں کا سفر یادوں کی دنیا دل میں بسا گیا، مراکش سرسبز و شاداب اور حسین ملک ہے اور حسن چاہے پھولوں میں ہو یا کہکشاں میں ہو، آب رواں میں ہو یا قامت جواں میں ہو وہ دلکش ہوتا ہے اس کے اندر تسخیر کی اور تاثیر کی صلاحیت ہوتی ہے، حسن سے متاثر نہ ہونا بزرگی کی نہیں بیماری کی علامت ہے، جس کے علاج کے لئے بیہودہ اشتہارات اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں ۔ شریعت نے گلبدنی کے حسن سے لذت اندوز ہونے پر جو قدغن لگائی ہے وہ اخلاقی قدروں کی حفاظت کے لئے ہے اور اس کا متبادل حوروں کی شکل میں پیش کیا ہے جو دنیا میں صبر کے نتیجہ میں جنت میں اہل ایمان کو فراہم کی جائیں گی، اور جن کا تذکرہ قرآن مجید میں بار بار آیا ہے، یہاں تک کہ ہمارے ایک شاعر نے یہ کہہ دیا کہ

نماز میں بھی مرا ذوق عاشقی نہ گیا
پڑھی وہ آیت کہ جس میں ذکر حور آیا

راقم سطور نے اس سفر نامہ کی تحریر تک بہت سے ملکوں کی سیاحت کی تھی اور "دنیا کو خوب دیکھا" تھا لیکن یہ ساری سیاحتیں اس وقت کی تھیں جب آتش جواں تھا یا اس کی جوانی قریب الختم تھی لیکن بلاد مغرب (مراکش) کا سفر اس وقت ہوا جب آفتاب حیات مغرب کی طرف مائل بلکہ لب بام آچکا ہے، عرب ملکوں کی سرزمین پر کئی بار اترنا ہوا تھا لیکن یہ حصہ جسے شمالی افریقہ کہتے ہیں جس مین ٹیونس الجزائر اور مراکش آتے ہیں، چھوٹا ہوا تھا، اس لئے مراکش کے شہر رباط میں وہاں کی یونیورسیٹی اور ایسسکو کی جانب سے علامہ اقبال پر سمینار میں شرکت کا دعوت نامہ ملا تو بہت خوشی ہوئی کہ ارض نادیدہ کی دید اور وہاں عرب علماء کی تقریروں کی شنید کا موقعہ میسر آرہا تھا، اس سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ عرب علماء اقبال کے نہ صرف قائل بلکہ گھائل ہو رہے تھے اور اقبال پر کانفرنس کر رہے تھے، اقبال خود بلاد عجم کے رہنے والے تھے لیکن ان کی نوا خود ان کے بقول عربی رہی، عربوں سے محبت ان کے دل میں بسی ہوئی تھی، چنانچہ میں نے کانفرنس کی دعوت منظور کی اور علامہ اقبال پر عربی میں ایک طویل مقالہ تیار کرلیا جس کا عنوان تھا "علامہ اقبال

اورمغربی تہذیب‘‘ علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں مغربی تہذیب کے بارے میں جو کچھ کہا تھا میں نے اسے عربی میں منتقل کردیا تھا۔

شہر رباط کے قریب وہ جگہ ہے جہاں سے طارق بن زیاد نے ساٹھ جہاز نما کشتیوں کے ذریعہ ۱۲ ہزار کے لشکر کے ساتھ جس میں بڑی تعداد بربر فوجیوں کی تھی، اسپین کا سفر کیا تھا اور اسپین کے ساحل پر پہونچ کر کشتیاں جلا ڈالی تھیں اور پھر اس نے ان پراسرار بندوں کے ساتھ جنہیں بقول اقبال ذوق خدائی بخشا گیا تھا اسپین کا ملک فتح کرلیا تھا۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحراء و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

مراکش کے اسی شہر کے جوان ہمت مجاہد تھے جنہوں نے اندلس کے فرماں روا راڈرک کے جاہ وجلال کو خاک میں ملا دیا تھا، چند ہزار سپاہیوں نے اسی افریقی ملک کے ساحل سے روانہ ہوکر یورپ کے اس سرسبز وشاداب ملک کو فتح کرلیا تھا اور آٹھ سو سال تک وہاں حکومت کی تھی، ڈاکٹر اقبال نے چند شعروں میں یہ داستان بیان کی ہے

طارق چوں برکنارہ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کار تو بنگاہ خرد خطا است
دوریم از سواد وطن باز چوں رسیم
ترک سبب زروئے شریعت کجاروا است
خندید و دست خویش بہ شمشیر برد وگفت
ہر ملک ملک ما است کہ ملک خدائے ما است

شمالی افریقہ کے ملکوں کو مشہور سپہ سالار حضرت عقبہ بن نافع نے حضرت معاویہ کے زمانہ میں فتح کیا تھا انہوں نے قیروان کو جنگی کاروائیوں کا مرکز بنایا تھا راستہ میں ایک جگہ خطرناک جنگل تھا جس میں درندے بہت تھے، انہوں نے جنگل میں بآواز بلند اعلان کیا کہ ہمارے ساتھ حضور اکرم کے ۱۵ صحابی ہیں ہم اسلام کی مہم پر دین کی سربلندی کے لئے نکلے ہیں، اس جنگل میں جتنے درندے ہیں وہ جنگل چھوڑ کر فوراً چلے جائیں، اگر وہ نہیں نکلیں گے تو ہم انہیں مار ڈالیں گے، لوگوں نے دیکھا کہ تمام جنگلی جانور یہاں تک کہ سانپ بھی اپنے بچوں کو لے کر جانے لگے، ابن اثیر اور کئی تاریخ کی کتابوں میں یہ روایت موجود ہے، تھوڑے ہی عرصہ میں اسلامی فوجیں تونس الجزائر اور مراکش تک پہونچ گئیں، مغرب اقصی یعنی مراکش کا ملک وہ ملک ہے جہاں فاتحین کے نقش قدم پڑے ہیں، آج یہ ملک دہکتے ہوئے رنگ برنگ کے گلزاروں اور گلعزاروں سے بھرا ہوا ہے، عرب ملکوں میں شام ولبنان وفلسطین کے حسن کی اگر کوئی نظیر ہے تو مراکش میں ہے جسے عربی میں المغرب العربی کہتے ہیں، اردو میں مراکش ایک ملک ہے اور عربی میں مراکش ملک کے ایک شہر کا نام ہے، ہمارا جس شہر میں جانا ہوا وہ رباط ہے جو ملک کا پایہ تخت ہے اس کے قریب ایک بہت بڑا شہر ہے جسے انگریزی میں کاسابلنکا اور عربی میں الدار البیضاء کہتے ہیں، کاسابلنکا اسپینی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی سفید گھر کے ہیں، عربی میں الدار البیضا کا بھی یہی مطلب ہے، اسپین کے لوگ جب یہاں کے

ساحل سے گذرتے تھے تو ان کو سفید رنگ کے مکانات نظر آتے تھے اس لئے انہوں نے اس کا نام کاسابلنکا رکھ دیا تھا، اسی ملک میں ایک اور تاریخی شہر ہے جسے فاس کہتے ہیں ، اس سرزمین پر پہلے مرابطین کی حکومت قائم تھی، چونکہ وہ ہرجگہ رباط قائم کرتے تھے اس لئے ان کا نام مرابطین ہو گیا تھا، اس عہد کا مشہور حکمراں یوسف بن تاشفین تھا، اسی کے عہد میں اسپین پر حملہ کیا گیا تھا، مرابطین کے بعد مراکش میں موحدین کی حکومت ہوئی، جس کا طاقتور حکمراں ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ تومرت تھا جو علم وتقوی کے ساتھ انداز جہاں بانی رکھتا تھا، وہ تین سال امام غزالی کی خدمت میں بھی رہ چکا تھا، اسی دولۃ الموحدین کے زمانہ میں قاضی عیاض اور قاضی ابوبکر بن عربی اور عبدالرحمٰن بن خلدون اور ابن بطوطہ جیسے سرآمد روزگار علماء پیدا ہوئے، موحدین نے بڑی شان وشوکت کے ساتھ حکومت کی، وہ بحری بیڑے کے بھی مالک تھے اور ان کے پاس دس ہزار سے زیادہ کی مسلح فوج تھی اسپین کے ساتھ پرتگال پر بھی ان کا قبضہ تھا، پھر ایک وہ زمانہ آیا کہ اسپین مسلمانوں کے ہاتھ سے ۱۶۰۱ عیسوی (۱۰۱۶ ہجری) میں نکل گیا ، یہ ان صلیبی طاقتوں کی جنہیں پہلے شام وفلسطین میں شکست ہو چکی تھی عروج کا زمانہ تھا، انہوں نے اپنی شکست کا بدلہ لینا شروع کیا اور وہ اندلس کو مسلمانوں سے چھین لینے میں کامیاب ہو گئے اور پھر وہ زمانہ بھی آیا کہ فرانس نے تیونس پر اپنا سامراجی نظام ۱۲۷۰ ہجری میں قائم کرلیا پھر الجزائر پر انہوں نے اپنا شکنجہ کسا، استعمار کے آخری دور میں امیر عبدالقادر الجزائری کی قیادت میں آزادی کی تحریک شروع ہوئی، لیکن آخر کار فرانس نے الجزائر پر اپنا شکنجہ مضبوط کرلیا، روس اور اسٹریا فرانس کے حمایتی تھے عیسائی دنیا مسلم ملکوں کو کمزور اور اپنا زیرنگیں رکھنا چاہتی تھی، جرمنی اور یورپ کے کئی ملک عثمانی سلطنت کے بخیئے ادھیڑنے پر تلے ہوئے تھے اور شمالی افریقہ پر بھی اپنا تسلط چاہتے تھے، ترکوں کے زیرنگیں جو ملک تھے ان میں شمالی افریقہ کے ملک فرانس کے حصہ رسدی میں آئے اور جرمنی اس کی تایید میں تھا ۱۹۰۷ میں الدار البیضا اور مراکش کے علاقوں پر فرانس کا قبضہ ہو گیا، بعد میں ۱۹۱۲ میں فرانس نے باقاعدہ مراکش کو اپنے زیرانتظام علاقہ بنالیا۔ ۱۹۲۷ میں جب محمد الخامس حکمراں بنا تو آزادی کی تحریک شروع ہوئی۔ بڑی طاقتوں کی بندر بانٹ میں برطانیہ کو مصر اور قبرص کا علاقہ ملا، آسٹریا نے بوسنہ اور ہرسک پر قبضہ کرلیا، یہ بندر بانٹ کی کاروائی کسی بلند مقصد کے لئے نہیں بلکہ اقتصادی جبر واستبداد کی چکی میں عوام کو پیسنے کے لئے اور زرکشی کے لئے اور مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کا بدلہ لینے کے لئے تھی، لیکن مراکش نے آزادی کی ٹھان لی تھی، شہر فاس میں احتجاجات ہوئے لیکن فرانس کی فوج نے احتجاج کو پوری طاقت سے کچل دیا۔ اس کے بعد جنگ عظیم شروع ہوئی جس میں انگلینڈ اور فرانس ایک طرف تھے دوسری طرف جرمنی اور اس کے طرف دار ملک تھے عثمانی سلطنت جرمنی کے ساتھ تھی، لیکن انگلینڈ اور فرانس عرب ملکوں کی کمزوریوں سے واقف تھے، انہوں نے عربوں سے جھوٹے وعدے کئے اور انہیں عثمانی سلطنت سے بغاوت پر آمادہ کیا اور عربی خلافت

کے سہانے خواب دکھائے اور مراکش پر فرانسیسی اقتدار بہت طویل عرصہ تک باقی رہا،اور پھر مراکش کے پڑوسی ملک الجزائر اور ٹیونس پر بھی فرانس کا اقتدار قائم ہوگیا،بہت سی اسلامی شخصیتیں اورادارے اس کیلئے خریدے گئے اوروہ فرانس کے حامی ہوگئے تھے اورفرانس نے ان کوخریدنے کیلئے مسجدیں اور مدرسے اور اسلامی مرکز قائم کئے تاکہ لوگوں کو مطمئن کیا جاسکے کہ فرانسیسی سامراج مسلمانوں کا دشمن نہیں۔الجزائر میں بار بارآزادی کی تحریکیں اٹھیں،فرانسیسی حکومت نے ہر بارفوجی قوت سے اسے کچلا،۱۹۱۴ میں جبر وظلم سے تنگ آکر پناہ گزینوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تک پہونچ گئی،زیادہ تر لوگوں نے ترکی میں پناہ لی،مراکش میں بھی انقلاب کا لاوا پھوٹ پڑا،اورفرانسیسی حکومت کواپنا کنٹرول ساحلی علاقوں تک محدود کرنا پڑا،کاسابلنکا (الدارالبیضاء) اور رباط میں فرانسیسی فوجوں نے اپنا مورچہ سنبھالا،لیبیا میں طرابلس میں جب شیخ احمد سنوسی کی دینی تحریک جہاد شروع ہوئی تو اس کے اثرات مراکش میں بھی پڑے اور یہاں سید باروٹی نے آزادی کی تحریک چلائی،فرانسیسی سامراج کے خلاف آزادی کی تحریک کواس سے تقویت ملی۔پہلی جنگ عظیم کے بعد بھی فرانسیسی قبضہ کے خلاف تحریکات کا سلسلہ جاری رہا،پہلی جنگ عظیم انگلینڈ فرانس کی جیت اور جرمنی اور ترکی کی ہار پرختم ہوئی،اس جنگ کے بعد ترکی کے زیر حکومت ملک مصر اور سوڈان پر برطانیہ نے قبضہ کرلیا،اٹلی نے طرابلس الغرب پراپنا شکنجہ کس لیا،فرانس نے تیونس اور الجزائر پر اپنا اقتدار پہلے سے زیادہ مضبوط کرلیا،اور یہاں جرمنی کوجوامتیازی حقوق حاصل تھے وہ سب چھین لئے گئے،مراکش فرانس کے زیراقتدار آ گیا،وہاں کے سلطان کو بس دینی معاملات کی دیکھ بھال تک کی آزادی دی گئی،یعنی سلطان کی سلطنت امور چند اور انتظام امور دینی تک محدود ہوگئی،جنھوں نے بال وپر نکالے اور آزادی کی بات کی ان کے لئے دارورسن کی سزا تجویز ہوئی،ہزاروں جیل میں ڈالے گئے۔اور اگر الجزائر اور تیونس کو بھی شامل کرلیا جائے تو جیلوں کو آباد کرنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔استعماری طاقتوں کا پہلا ہدف مسلمانوں کو کچلنے کے ساتھ اقتصادی فائدے کا حصول تھا۔مراکش میں لوہا فاسفورس سمنٹ،چاندی اور مختلف اقسام کے معدنیات اور تیل خاص طور پر زیتون کا تیل اور پٹرول کافی موجود تھا،زراعت بھی کافی تھی،ملک سرسبز اور شاداب تھا،یہ سب دیکھ کرمغربی استعمار کی رال ٹپکنے لگی تھی۔

مراکش میں جامعۃ قروین ہے،اور تیونس میں جامعۃ زیتونہ ہے یہ دونوں قدیم مدارس دینیہ شمالی افریقہ میں دینی علوم کے بہت بڑے مرکز ہیں،ان ملکوں میں مسجدوں کے ساتھ مدرسے بھی قائم تھے،شہر بشہر اور دیہات دیہات مدرسوں کا وجود تھا جواوقاف کے نظام کے تحت چلتے تھے یہاں خانقاہیں بھی قائم تھیں تصوف میں یہاں شاذلی سلسلہ اور قادریہ سلسلہ بہت مقبول تھا،لیکن یہ تمام افریقی ملک دینی علوم کا گہوارہ ہونے کے باوجود فرانس کے دست تصرف میں آ گئے،فرانسیسی استعمار کا مقصد عربی اوراسلامی علوم کی جگہ پرفرانسیسی زبان،مغربی علوم

اور تہذیب کی اشاعت تھی،تاکہ اقتصادی فائدوں کے حصول کے ساتھ ذہن اور دماغ بدلے جائیں،اور عیسایت کی تبلیغ آسان ہوجائے،شام اردن اور فلسطین کو بھی فرانس نے اپنے زیرانتظام لے لیا تھا،اس طرح وہ تمام ملک جو ترکی کے زیرنگیں تھے مغربی طاقتوں کے زیرتصرف آ گئے، سیاسی اور اقتصادی تمام اختیارات کے وہ مالک تھے،ترکی کے مرد بیمار کے فاتح وارثین مفتوحہ ممالک میں اپنا اپنا حصہ رسدی لے کر صلیبی جنگوں میں اپنی شکست کا انتقام لے رہے تھے، اور دراصل یہ صلیب وہلال کی جنگ تھی،اس جنگ میں مفتوحہ ممالک کی تمام آزادیاں سلب کرلی گئی تھیں۔الجزائر اور مسلم ملکوں میں لاکھوں انسان مارے گئے،مغربی طاقتوں کے ظلم وجور کا،جوسلسلہ درسلسلہ بے حساب،لگایا جائے اور پھر اسی حساب کو بیباق کیا جائے تو ایک ایک مغربی شخص کو کئی کئی بار پھانسی پر چڑھانا پڑے گا تب جاکر حساب بیباق ہوگا،اور پھر مغربی تہذیب کی ایک ایک چیز سے نفرت پیدا ہوگی۔

شمالی افریقہ کے ملکوں میں اسلامی دور کی بہار ختم ہوچکی،بہار کے بعداب دورِخزاں چل رہا ہے،کاش عرب اور اسلامی ملکوں میں زبونی کا یہ احساس پیدا ہو،اسی لئے مشہور نومسلم ڈاکٹر محمد اسد نے کہا تھا کہ مغربی ملکوں سے جو چیز لینے کی ہے وہ سائنس اور ٹکنولوجی ہے نہ کہ تہذیب اور زبان وادب۔ مغربی قوموں کی ترقی کا راز یہی سائنسی علوم ہیں نہ کہ زبان اور سماجی علوم،جاپان اور چین اور کئی ملکوں نے مغربی ملکوں کی زبان وادب سیکھے بغیر سائنس اور ٹکنولوجی میں ترقی کی ہے۔اور زبان اسی قدر ایک حد کے اندر سیکھی گئی کہ اپنی زبانوں میں سائنسی علوم کا ترجمہ کرلیا جائے ، ہر شخص کو مغربی زبانیں نہیں سکھائی گئیں۔انہوں نے اپنی زبانوں میں جدید علوم پڑھائے۔ البتہ اسلام کی تبلیغ ودعوت کی نیت سے دنیا کی ہرزبان سیکھی جاسکتی۔جدید عصری علوم میں مہارت اور ایمان ویقین کے ساتھ اسلام کی دعوت اس دنیا میں سربلندی کے حصول کا راستہ ہے بہرحال جب ہم تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو اسپین ہمارا فردوس گم شدہ Paradise lost ہے اور مراکش ہمارا فردوس باز یافتہ Paradise regained ہے کیونکہ ہم نے اس ملک کو طویل دور استعمار کے بعد بیسویں صدی کے نصف ثانی میں دوبارہ حاصل کیا ہے۔تمام اسلامی ملکوں کی زار وزبوں حالت سائنس اور ٹکنالوجی میں ان کی پسماندگی کے سبب سے ہے وہ ملک (مراکش) جس نے پہلے اسپین کو فتح کیا تھا بعد کے زمانہ میں فرانس کے سامنے مفتوح اور ہزیمت خوردہ بن گیا تھا۔

اس فردوس بازیافتہ یعنی ملک مراکش یعنی المغرب کے مرکزی شہر رباط میں علامہ اقبالؒ کی تجدیدی فکر پر عالمی کانفرنس منعقد ہورہی تھی اور اس کانفرنس کی میزبانی شہر رباط کی محمد الخامس یونیورسیٹی،عالمی ادارہ ایسسکو اور عالمی ادارہ برائے فکر اسلامی (IIIT) کے اشتراک سے کررہی تھی۔ عالمی ادارہ ایسسکو کا صدر مقام رباط شہر میں ہے اور عالمی ادارہ برائے فکر اسلامی (IIIT) کا صدر دفتر امریکہ میں ہے۔ علامہ اقبال پر یہ کانفرنس پہلے اردن میں ہونے والی تھی لیکن بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے ملتوی ہوگئی اور پھر رباط میں منعقد ہوئی،اس کانفرنس کے نفس ناطقہ اور منتظم اعلی ڈاکٹر فتحی

حسن ملکاوی اور ڈاکٹر جمیل عطاشہ تھے، یہ دونوں حضرات IIIT کی سرکردہ شخصیتیں ہیں اس ادارہ کا عربی نام "المعھد العالمی للفکر الاسلامی" ہے یہ ارباب علم وقلم کا مشہور ادارہ اور بلند مقام مفکرین کا گہوارہ ہے، یہاں سے بے شمار کتابیں عربی اور انگریزی میں شائع ہوچکی ہیں، اسی طرح سے ایسیسکو عربی زبان کی نشرواشاعت کے لئے بڑی بڑی کانفرنسیں دنیا کے مختلف ملکوں میں منعقد کرتا آیا ہے، جس طرح عالمی ادارہ یونسکو بڑے پیمانہ پر علمی اور ثقافتی خدمات انجام دیتا ہے اسی طرح سے ایسیسکو جس کا صدر دفتر رباط میں ہے، عربی اور اسلامی اور انسانی ثقافت کے فروغ کے لئے سرگرم رہتا ہے، مراکش کے موجودہ حکمراں محمد سادس کے عہد حکومت میں اس ادارہ نے علمی اور ثقافتی سطح پر بڑے کارنامے انجام دئے ہیں رباط شہر المملکۃ المغربیۃ (مراکش) کا دارالخلافۃ ہے اس کی آبادی ۱۵ لاکھ ہے یہ شہر اپنے ملبوسات کے لئے اور دستکاری کے سامان کے لئے پورے افریقہ میں مشہور ہے ۔ یہ شہر موحدین کے عہد میں آباد کیا گیا تھا اور اب یہ شہر آٹھ سو سال سے شادو آباد ہے۔اور بحر اٹلانٹک کے ساحل پر واقع ہے اور یہاں دنیا بھر کے ملکوں کے سفارت خانے بھی ہیں ۔

نومبر ۱۹۱۴ تک ایک سو چالیس مقالات کی تلخیص اس کانفرنس کے لئے پہونچ چکی تھی، اتنی بڑی تعداد میں اس بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کے خواہشمند عرب دنیا کے اسکالرس اور اساتذہ تھے لیکن ایک محدود تعداد کے نام دعوت نامے اور ہوائی جہاز کے ٹکٹ بھیجے گئے تھے، ہندوستان سے قرعہ فال ایک ہمارے نام اور ایک المعھد العالی حیدراباد کے استاد محمد اعظم ندوی کے نام پر پڑا تھا، محمد اعظم متحرک نوجوان عربی زبان کے ماہر انشاپرداز ہیں اور حیدرآباد کے معھد الاسلامی کے بہت سے کام عربی زبان میں انجام دیتے ہیں ۱۷/ اور ۱۸/ دسمبر ۱۹۵۱ کو یہ کانفرنس "محمد اقبال و جھودہ فی الاصلاح والتجدید الفکری" کے عنوان سے رباط شہر میں منعقد ہوئی تھی، ہم اور ہمارے نوجوان رفیق محمد اعظم ۱۵ دسمبر ۲۰۱۵ کو اتحاد ایرلائنز سے براہ ابوظبی روانہ ہوئے اور ۱۶ دسمبر کی صبح ساڑھے سات بجے کاسابلنکا کے محمد خامس ایرپورٹ پر پہونچ گئے، اس وقت یہ المغرب کا یعنی مراکش کا سب سے بڑا شہر ہے، یہی وہ تاریخی مقام ہے جہاں سے موسی بن نصیر اور طارق بن زیاد کی فوجیں اندلس کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہوئی تھیں، بیس منٹ میں ہوائی جہاز یہاں سے اندلس کی سرزمین میں پہونچ جاتا ہے لیکن ہمارے پاس اندلس کا ویزہ نہیں تھا اور اس کی تیاری نہیں تھی اس لئے اب اندلس کا صرف خواب وخیال کی دنیا میں سفر ممکن تھا، خواب وخیال کی دنیا میں تو شعراء ساتوں آسمان کی سیر کر لیتے ہیں، اردو شاعری میں اقبال نے اور عربی شاعری میں ابوالعلاء معری نے اس طرح کا سفر کیا بھی ہے، اردو نثر کی دنیا میں شوکت تھانوی مریخ کی سیر کر کے آ گئے تھے اور انہوں نے مشاہدہ کیا تھا کہ مریخ کے باشندے اس دنیا کے باشندوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں، انگریزی ادب میں ملٹن کی رزمیہ نظمیں پیراڈائز لاسٹ اور پیراڈائیز ری گینڈ جنت اور جہنم اور آدم وحوا کے قصے پیش کرتی ہیں یہ بھی خیالی دنیا کا سفرنامہ ہے۔ ہم دونوں کا مراکش کے شہر رباط میں پانچ دن ہمارا قیام رہا دو دن کانفرنس تھی اور ایک دن شہر کے تاریخی مقامات کی سیر کے لئے تھا، یہ تین دن تو ہم لوگ کانفرنس کے مہمان تھے اور فائیو اسٹار

ہوٹل میں ٹھرائے گئے تھے، تین دن کے بعد ہم اور محمد اعظم نسبتا ایک چھوٹے ہوٹل میں عین قلب شہر میں منتقل ہو گئے تھے جس سے شہر کی ثقافت وتہذیب کو سمجھنا زیادہ آسان ہو گیا تھا، فائیو اسٹار ہوٹل عام طور شہر سے کنارے ہوتے ہیں اور ان ہوٹلوں کا کلچر عام طور پر یکساں ہوتا ہے۔ہم لوگوں کا رباط میں ''ہوٹل رباط'' میں ٹھہرنا ہوا تھا، ہم لوگ کاسابلنکا سے رباط کی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ ملک زرخیز سرسبز وشاداب ہے، بہت خوبصورت مناظر سامنے آئے، اس شہر کو موحدین کے دور میں ابویوسف یعقوب منصور(۵۵۴۔ ۵۹۹۵ ہجری) نے اپنی خلافت اور حکومت کے زمانہ میں اندلس میں الفانسو کی عیسائی فوج کو شکست دینے کے بعد عظیم الشان فتح کے شکرانے کے طور پر ۱۱۹۸ عیسوی میں بسایا تھا اور اس کا نام رباط الفتح رکھا تھا، عیسائی فوجوں سے جنگ اسپین میں مرج الحدید کے میدان میں ہوئی تھی، کاش کہ یہ رباط آج بھی فتح وکامرانی کا رباط ہوتا اور یورپ کو شکست دینے کی پوزیشن میں ہوتا۔ مراکش یعنی المملکۃ المغربیۃ کا دوسرا بڑا شہر فاس ہے جہاں ہم لوگوں کا جانا نہیں ہوا یہیں جامعہ قزوین ہے جو عالم اسلام کی قدیم ترین درسگاہ ہے یہ ادارہ صدیوں تک تفسیر حدیث اور فقہ اور علوم اسلامیہ کی تدریس کا مرکز رہا ہے۔ یہ عظیم الشان ملک مغربی استعمار کا شکار ہوا اور اس کی کی ابتدا اس طرح سے ہوئی کہ یہاں بربروں کو عربوں کے خلاف اکسایا گیا اور ان کو عربی زبان اور عربی تہذیب سے کاٹ دینے کی گہری سازش شروع ہوئی تھی ۔

رباط میں علامہ اقبال کانفرنس میں مقالہ پڑھنے والے زیادہ تر عرب تھے ایک صاحب ترکی سے آئے تھے ایک افغانسان سے ۔ایک پاکستان سے آئے تھے جن کا نام اسرار احمد خاں تھا وہ اصلا ہندوستان کے تھے اور مدرسۃ الاصلاح کے فارغ تھے، اردن کی ایک فاضل خاتون پروفیسر ڈاکٹر امینہ بھی تھیں اور پرجوش اسلامی خیالات کی حامل تھیں ۔ افتتاحی جلسہ میں مہمانوں کا استقبال کیا گیا اور اس کانفرنس کے مقاصد بتائے گئے اور فکر اسلامی کی تجدید میں علامہ اقبال کے مقام اور مرتبہ کی وضاحت کی گئی ۔ عربی زبان میں ۳۰ ۔ ۳۵ کتابیں علامہ اقبال پر شائع ہوچکی ہیں کانفرنس کے مندوبین میں بڑی تعداد انگریزی زبان سے واقف تھی اور چونکہ انگریزی میں اقبال پر بہت کام ہوا ہے اس لئے اردو اور فارسی نہ جاننے کے باوجود اقبال کے بارے میں عربی اور انگریزی کتابوں کی مدد سے عرب اساتذہ اور اسکالرس کو واقفیت حاصل ہوچکی تھی ،صرف فارسی اور اردو اشعار کے حوالے دینا ان علماء کے لئے مشکل تھا، اور آج کل مقالہ نگاری کا ایک نیا اسلوب بہت عام ہو گیا ہے اور وہ ہے بہت بلندی پر پرواز کرنا، یعنی تھوڑا سا فکر رسا اور تھوڑا سا تخیل بلند پرواز اور کچھ الفاظ کا گورکھ دھندا ، کچھ خطوط خمدار، کچھ نقوش کجدار، کچھ مبہم عبارت آرائی، کچھ فلسفہ طرازی، کچھ مفکرین اور فلاسفہ کے حوالے، اس ملغوبہ سے آجکل فکری علمی مقالہ تیار ہوتا ہے جس کا پڑھنا مشکل اور سمجھنا اور زیادہ مشکل اور جس کا سمجھانا اس سے بھی زیادہ مشکل اس مجموعہ اوصاف کا نام مفکرانہ انداز بیان قرار دیا گیا ہے، اس مؤتمر میں زیادہ تر مندوبین کا اظہار خیال اسی مفکرانہ اسلوب میں تھا، اقبال پر سمینار تھا

لیکن اصل اردو یا فارسی کے اشعار غائب تھے کیونکہ مقالہ نگاروں نے کلام اقبال نہیں پڑھا تھا اور کلام اقبال جس زبان میں ہے وہ زبان انہیں نہیں آتی تھی ۔صرف عربی اور انگریزی کتابوں کے حوالے تھے کیونکہ وہ اقبال سے ان ہی زبانوں کے ذریعہ واقف تھے، اقبال کا عرب دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور تعارف مولانا ابو الحسن علی ندوی نے اپنی کتاب روائع اقبال کے ذریعہ کرایا ہے، کانفرنس کا اختتام علامہ اقبال کی اردو نظم پر ہوا جسے ہمارے ساتھی محمد اعظم ندوی صاحب نے ترنم سے سنایا کانفرنس کے تمام شرکاء کلام نہ سمجھنے کے باوجود اس سے بہت محظوظ ہوے ۔کلام کے دل تک اترنے کیلئے الفاظ کے معانی تک رسائی ضروری نہیں ہے اور نالہ پابند نئے نہیں ہے ۔شہر کی یونیورسیٹی کے ذہین طلبہ اس کانفرنس میں صرف انتظامی اعتبار سے شریک نہیں تھے بلکہ ہر مقالہ کے بعد ان کے تبصرے تھے جنہیں سمینار کی اصطلاح میں مداخلات کہا جاتا تھا، مغرب اقصی کی نئی نسل اقبال کے کلام اور پیغام سے واقف ہورہی تھی یہ بذات خود خوشی کی بات تھی ۔علماء نے تو احتساب کائنات کا فریضہ انجام دینا چھوڑ دیا ہے اقبال اگر اس زمانہ میں ہوتے تو وہ ان عرب حکمرانوں کو شدید تنقید کا نشانہ ضرور بناتے جنہیں اللہ نے موقعہ دیا تھا لیکن انہوں نے پٹرول کی دولت کا غلط استعمال کیا ہے، پوری عرب قوم کو صارفین کی قوم بنادیا ہے اور عیش کوشی میں ان کو مبتلا کردیا ہے اور صنعت وسائنس سے ان کو دور کردیا ہے، کیونکہ اقبال کا نظریہ یہ ہے ۔

جو عالم ایجاد میں ہے صاحب ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ

شہر کے جن تاریخی مقامات کو دیکھنے کے لئے کانفرنس کے مندوبین کو لے جایا گیا ان میں محمد الخامس کا مقبرہ اہم تھا جس کے عہد میں فرانسیسیوں کا انخلا ہوا تھا اور ملک آزاد ہوا تھا، یہ مقبرہ بہت خوبصورت ہے، سفید سنگ مرمر پر سبز ٹائل لگائے گئے ہیں، اہل علم نے بتایا کہ موزائک اور نقاشی کے یہ نمونے صرف اندلس کی تعمیرات میں نظر آتے ہیں یہ مقبرہ یہاں کے ہر دلعزیز عادل حکمراں محمد الخامس کا ہے، جس کے عہد میں ملک میں بہت ترقی ہوئی ملک محمد خامس کی قبر کی نزدیک ملک حسن ثانی اور امیر عبد اللہ کی قبریں ہیں، گویا یہ مراکش کا شاہی قبرستان ہے، یہ شارع یازجی پر واقع ایک تاریخی شاہکار مسجد حسان کے قریب ہے، مسجد حسان کو صومعۃ حسان بھی کہتے ہیں اس مسجد کو یعقوب منصور موحدی نے بنایا تھا جس نے شہر رباط کو آباد کیا تھا پھر اس کا ۱۱۹۹عیسوی میں انتقال ہوگیا اور مسجد ہنوز تشنہ تکمیل ہے ۔اس کے صحن میں ہزاروں نامکمل ستون ہیں یہ مسجد جو تشنہ تکمیل رہ گئی اگر مکمل ہوجاتی تو شاید دنیا کی سب سے بڑی مسجد ہوتی شاید حکومت کے مالی وسائل اجازت نہیں دے رہے تھے جس کی وجہ سے مسجد کی تعمیر مکمل نہیں ہوسکی اس میں جو عمارتیں ہیں وہ فن تعمیر کا نمونہ ہیں ۔ان تاریخی عمارتوں میں ایک عمارت رباط الفتح بھی ہے جس میں ایک بڑی مسجد اور دار الخلافہ کے نام سے ایک عمارت ہے جو انتظامات شہر کا مرکزی دفتر تھا یہ وہی رباط الفتح ہے جو اس شہر کا نام ہے اور جسے اندلس میں الفانسو کی

شکست کے بعد فتح کے جشن کے طور پر آباد کیا گیا تھا۔
پورے شہر میں قلعے اور قلعوں کی فصیلیں نظر آتی ہیں پرانے زمانے میں یہ قلعے دفاع کے لئے تعمیر کئے جاتے تھے ،اب جدید دور میں آسمان سے بم گرائے جاتے ہیں اب یہ قلعے بے فائدہ اور بے فیض ہو کر رہ گئے ہیں جدید دور سائنس میں دفاع کی جو تیاری ہونی چاہئے تھی وہ مسلم ملکوں نے نہیں کی چنانچہ افغانستان پر اتنی بمباری کی گئی کہ پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی ہو رہے تھے اور عراق میں اتنی بمباری کی گئی کہ ریزہ ریزہ سامان جنگ بھی برباد ہو گئے ۔
اس شہر کے منتظم اعلی کی طرف سے ایک شام ہم لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا، ملاقات میں شہر کے بارے میں انہوں نے ہم لوگوں کے تاثرات جاننے کی کوشش کی۔ شہر کے قابل دید مقامات میں ایک مقام قصبۃ الاودایہ ہے اس میں بڑے خوبصورت گھنے باغات ہیں یہ پورا علاقہ دریا کے کنارے ایک بلندی پر واقع ہے یہاں آبادی قدیم طرز پر رکھی گئی ہے بہت پتلی پتلی آسمانی رنگ میں پینٹ کی ہوئی گلیاں ہیں، خاص طرح کے چھوٹے چھوٹے قہوہ خانے ہیں ہر طرف مختلف پودوں اور درختوں کی شاخیں جھالر کی طرح ہر طرف لٹکتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں جیسے درخت سجدہ ریز ہو گئے ہوں، اور غالب کی زبان میں جیسے شانوں پر زلفیں پریشاں ہو گئی ہوں، یہ جگہ روئے زمین سے بالکل الگ معلوم ہوتی تھی، ایک خواب وخیال کی دنیا ایک افسانہ وفسوں کی دنیا، ایک تیر نیم کش جو دل میں پیوست ہو جائے اور پھر نکل نہ سکے ۔ اور اس کی یاد کی خلش انسان ہر وقت محسوس کرے۔ ہم مہمانوں کو بہت سے دلکش مقامات پر لے جایا گیا ایک جگہ کھنڈرات تھے اور ان میں قدیم اور بوسیدہ قبریں تھیں اور بلیوں کی کثرت تھی تمام بلیاں خوبصورت اور ہندوستانی بلیوں سے بڑی تھیں اور سیاحوں سے مانوس ہو جاتی تھیں، بعض سیاح ان کو کھانے پینے کی چیزیں بھی دیتے تھے۔ ایک جگہ جہاں ہم کو لے جایا گیا وہ ایک چھوٹا سا جنگل تھا جس میں ڈھلوان پر اترنے کے لئے زینے بنے ہوئے تھے اس جنگل میں کچھ کھنڈرات بھی تھے اور عجیب وغریب شکل کے درخت تھے، کوئی درخت حالت رکوع میں تھا، کوئی حالت سجود میں تھا، کسی کی شکل کسی جانور سے ملتی تھی ۔ٹوٹی پھوٹی عمارتوں کی بلندی پر گدھ کے سائز کے بڑے بڑے خوبصورت پرندے فلسفیانہ انداز اور مفکرانہ اور مدبرانہ شان سے بیٹھے ہوئے شاید کائنات کی تخلیق پر غور وفکر میں مشغول تھے الذین یتفکرون فی خلق السماوات والارض زمین وآسمان میں غور وفکر اہل ایمان کا شیوہ بتایا گیا ہے، جب یہ اہل ایمان کا شیوہ تھا تو انہوں نے دنیا فتح کی تھی پہاڑ اور سمندر کوئی چیز ان کی راہ میں حائل نہیں ہوتی تھی،'' بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی'' جب اہل ایمان نے یہ عظیم الشان کام چھوڑ دیا اور علم کی گرم بازاری ختم ہوئی اور دینوی علوم کہہ کر کے کائنات میں تدبر کے کام کو نظر انداز کیا تو شاید ان پرندوں نے اسے اختیار کر لیا ان پرندوں میں سے ہر ایک ارسطو اور افلاطون معلوم ہو رہا تھا، شاید ان پرندوں کو ''واق'' کہا جاتا ہے۔ مراکش کے شہر رباط کے ساحلی علاقوں میں قابل دید سبزہ زار اور مرغزار بھی ہیں اور ان میں جاذب نظر رنگ برنگ کے پھول ہیں جو خود بیں وخود آرا ہیں، مجھے حیرت ہوتی تھی

جب ہمارے قافلہ کے لوگ پھولوں کے پاس سے گذرتے تھے اور ان پھولوں پر نگاہ غلط انداز بھی ڈالنا گوارا نہیں کرتے تھے ایسے ہر موقع پر کبھی مجھے اپنے ساتھیوں کو یہ بھی کہنا پڑا ہے کہ یہ پھول اپنے حسن پر مغرور سہی لیکن ایک دن آپ لوگوں پر اہانت اور ظلم کا مقدمہ دائر کردیں گے اور ہمارے یہ کہنے کا بھی آج تک کسی پر کوئی اثر نہیں ہوا ہے، کیونکہ خدا ہر شخص کو دل فطرت شناس نہیں دیتا ہے اور سکوت لالہ وگل سے کلام کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔اسی لئے رعنائی فکر اور رعنائی خیال بھی ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے ہر انسان کا دل شاعر نہیں ہوتا ہے وہ جانتا ہی نہیں کہ صبح درخشاں کیا چیز ہوتی اور شام کے وقت طشت افق پر لالے کے پھول کتنے خوبصورت ہوتے ہیں ، اور اگر ہر انسان شاعر ہو جاتا یا خوشبو اسے دیوانہ بناتی یا وہ تجلی زاروں پر فدا ہوسکتا تو اس دنیا کا کاروبار نہیں چل سکتا تھا اسی لئے زیادہ تر لوگوں کو بے ذوق بنایا گیا ہے تا کہ حسن پرستی میں اور شاعری میں ان کا قت ضائع نہ ہو اور دنیا کا نظام قائم رہے۔لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ جب حسن کی قدردانی ختم ہوجائے گی تو اس دنیا کی معنویت ختم ہوجائے گی۔

رباط کے پورے شہر میں ہر طرف مسجدیں تھیں، لیکن ان مسجدوں کا پہچاننا شروع شروع میں مشکل تھا، ہم لوگ جس طرح کے میناروں کے دیکھنے کے عادی تھے یہاں مسجدوں کے مینارے اس سے بالکل مختلف تھے۔یہاں مینارے چوکور بلند اور مستطیل عمارت کی شکل میں ہوتے ہیں، جیسے ہمارے یہاں اینٹوں کی بھٹیاں ہوتی ہیں اس سے کچھ زیادہ بلند اور مخروطی شکل کے بجائے مربع شکل کے مینارے یہاں مسجدوں میں ہوتے ہیں، پہلے تو ہم نے مسجدوں کو پہچانا نہیں لیکن جب ایک بار معلوم ہوگیا کہ یہاں میناروں کی شکل ہمارے یہاں کے میناروں سے مختلف ہے اور ان کا انداز تعمیر الگ ہے تو پھر مسجدوں کو دور سے پہچاننا آسان ہوگیا تھا، مسلمان عام طور پر مالکی مذہب کے پیرو ہیں اور نماز میں قرآن کی قرآت بھی تھوڑے سے مختلف انداز میں ہوتی ہے۔

دست کاری کی صنعت میں جسے ہینڈی کرافٹ کہتے ہیں، مراکش کو بڑا امتیاز حاصل ہے اس سے یہاں کی خوبصورت تہذیب کا اندازہ ہوتا ہے، مٹی کی اشیاء ،گلدان ظروف یعنی برتنوں پر خوبصورت کام بے حد دیدہ زیب نظر آرہے تھے، یہاں کی قالینیں بھی خوبصورت تھیں ملبوسات یعنی ویر کرافٹ کے بازار بھی بہت سجے ہوئے اور خوبصورت تھے کپڑوں پر کشیدہ کاری بہت خوبصورت تھی، خوبصورت لکڑی کے فرنیچر بھی باعث زینت تھے خوبصورت ووڈ کارونگ کی وجہ سے یہ فرنیچر جنت نگاہ بنے ہوئے تھے ، دستکاری کی صنعت میں کوئی ملک مراکش کا مقابلہ نہیں کرسکتا ہے، یہاں کی دست کاری شہرہ آفاق ہے، باہر کے سیاح یہاں بہت آتے ہیں اور گھریلو سجاوٹ کے لئے دستکاری کے سامان خرید کر لے جاتے ہیں ان کے گھر کی آرائش دلبرا اور دلکش مراکش کی مرہون منت ہوتی ہے۔پانچ دن گذارنے کے بعد ہم مراکش کے شہر رباط سے ہندوستان واپس آئے، ہمیں اس کا افسوس تھا کہ ہم نے اندلس نہیں دیکھا اور پورا مراکش نہیں دیکھا، لیکن جتنا دیکھا وہ ہمارے لئے باعث مسرت تھا۔

☆☆☆

عالم اسلام

ترکی دہشت گردی کی زد میں

ڈاکٹر فرقان حمید

ترکی ایک بار پھر دہشت گردی کی لپیٹ میں آیا ہوا ہے، ستر کی دہائی میں ترکی میں شروع ہونے والی دہشت گردی اسوقت اپنے انجام کو پہونچی جب حکومت ترکی اور کرد باغیوں کے درمیان دوسال قبل فائر بندی کے ایک سمجھوتے پر دستخط کئے گئے، اگر چہ جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی (آق پارٹی) کے ۲۰۰۲ء میں برسراقتدار آنے کے بعد ہی کرد دہشت گرد تنظیم ''پی کے کے'' کے حملوں میں کمی آگئی تھی اور پھر حکومت اور دہشت گرد تنظیم ''پی کے کے'' کے سرغنہ عبداللہ اوجلان کے درمیان مذاکرات کے نتیجے میں دوسال قبل فائر بندی کا ایک سمجھوتا طے پا گیا تھا اور ملک میں دہشت گردی کے واقعات مکمل طور پر ختم ہو گئے تھے، لیکن گزشتہ سال فائر بندی کا سمجھوتہ شمالی عراق میں کرد باغیوں کے خلاف کئے جانے والے فوجی آپریشن کی وجہ سے اپنے انجام کو پہنچ گیا اور پی کے کے نے ایک بار پھر ترکی کے مختلف شہروں میں دہشت گرد حملوں کا آغاز کر دیا، گزشتہ ماہ سترہ فروری کو دہشت گرد تنظیم ''پی کے کے'' کی ایکسٹنشن ''TAK'' نے انقرہ ہی کے مرکزی علاقے قزلائی کے قریب فوجی ہیڈ کواٹر اور پارلیمنٹ کے بہت قریب حملہ کرتے ہوئے ۲۹/ افراد کو ہلاک کر دیا تھا، اس نے حملے کو ترکی کے جنوب مشرقی علاقے میں فوجی آپریشن کے خلاف ردعمل قرار دیتے ہوئے ذمے داری قبول کر لی تھی، دہشت گردی کے اس واقعے کے بعد ترک مسلح افواج نے بڑے پیمانے پر جنوب مشرقی ترکی میں فوجی آپریشن کا آغاز کیا جس میں سینکڑوں کی تعداد میں دہشت گردوں کو نشانہ بنایا گیا، اس فوجی کارروائی کا بدلہ لینے کے لئے تیرہ مارچ شام ساڑھے چھ بجے انقرہ کے قلب قزلائی کو دہشت گردوں نے نشانہ بنایا، اس حملے میں ۳۷ افراد ہلاک اور ۱۲۵ افراد زخمی ہو گئے، اس دہشت گرد حملے کو پی کے کے یا اس کی ذیلی شاخوں میں سے کسی ایک کی طرف سے کروائے جانے کا خیال ظاہر کیا جا رہا ہے، دہشت گردی کے اس حملہ سے دوروز قبل ہی دہشت گرد ''پی کے کے'' کی ذیلی شاخ TAK کے سرغنہ ''دوران قالقان'' نے بیان دیتے ہوئے ''پی کے کے'' سمیت بائیں بازو کی دس مزید شاخوں کو یکجا کرتے ہوئے HBDH یعنی ''تحریک متحدہ عوامی انقلاب'' کے نام سے نئی دہشت گرد تنظیم تشکیل دینے کا اعلان

کیا تھا تا کہ فوجی آپریشن کا مشترکہ طور پر بدلہ لیا جاسکے، اگرچہ اس حملے کے بارے میں حکومت کو پہلے ہی سے اطلاع مل چکی تھی اوراس کو بیس مختلف گاڑیوں کی نمبر پلیٹوں کے بارے میں آگاہی بھی فراہم کی جا چکی تھی لیکن حکومت اس کے باوجود حملے کو روکنے میں ناکام رہی، لیکن مختلف تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ اس قسم کے خودکش حملوں کو وقت سے پہلے روکنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔حکومت کی حملوں کی روکنے میں ناکامی اور دہشت گردوں کے ترکی کے قلب پر وار کرنے پر حزب اختلاف نے حکومت پر شدید تنقید کی ہے اور خارجہ پالیسی کو فوری طور پر تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا ہے، تاہم وزیراعظم احمد داؤد نے حزب اختلاف کی تنقید کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ ''جنوب مشرقی ترکی میں دہشت گردوں کا قلع قمع کرتے ہوئے ہمیں اس قسم کے دہشت گردی کے واقعات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ہم علاقے میں مکمل طور پر دہشت گردی کے خاتمے کا عزم کر چکے ہیں اور دہشت گردی کو ختم کر کے ہی دم لیں گے''۔انہوں نے مزید کہا کہ ''ہمارے پاس اس حملے میں ملوث افراد کے بارے میں ٹھوس ثبوت موجود ہیں اور تحقیقات مکمل ہونے پر نتائج سے عوام کو آگاہ کیا جائے گا''۔

حملے کے فوراً بعد صدر رجب طیب اردگان نے کہا ہے کہ ''دہشت گرد ترک افواج کے خلاف جنگ ہارنے کے بعد اب عوام کو نشانہ بنا رہے ہیں، ترکی مزید حملوں کی روک تھام کے لئے اپنے دفاع کا حق استعمال کرے گا۔عوام کو ہرگز فکرمند نہیں ہونا چاہئے۔دہشت گردی کے خلاف یہ جنگ یقیناً کامیابی پر منتج ہوگی اور دہشت گردوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا جائے گا''۔

ترکی میں اوپر تلے ہونے والے دہشت گردی کے یہ دونوں واقعات ایسے وقت ہوئے ہیں جب ترکی کے صدر اردگان آذربائیجان کے دورے پر روانہ ہونے والے تھے۔صدر اردگان کو آذربائیجان میں صدر الہام علی ایف کے ہمراہ ناطولین نیچرل گیس پائپ لائن منصوبے کی افتتاحی تقریب میں حصہ لینا تھا، یہ گیس پائپ لائن آذربائیجان گیس کو ترکی کے راستے یورپی ممالک تک پہنچائے گی اور اس سے یورپ کے روس پر گیس کے معاملے میں انحصار کم کرنے میں مدد ملے گی، تاہم اس بار صدر رجب طیب اردگان کے آذربائیجان کا دورہ ملتوی کرنے کے بارے میں کوئی بیان جاری نہیں کیا گیا ہے اور اس منصوبے کی افتتاحی تقریب میں شرکت کی امید ظاہر کی جارہی ہے۔

انقرہ کے مرکزی علاقے قزلائی میں ہونے ولے دھماکے کی شدید مذمت کرتے ہوئے وزیرداخلہ افقان اعلی نے کہا کہ ''اس حملے سے متعلق تفتیش کو ئی طرفہ طور پر جاری رکھا جا رہا ہے اور دہشت گردی کے خلاف جدو جہد کو پرعزم طریقے سے جاری رکھا جائے گا''۔انہوں نے کہا کہ شہری ایک بس اسٹاپ پر بس کا انتظار کر رہے تھے کہ انھیں بارود سے بھری کار میں دھماکہ کر کے نشانہ بنایا گیا۔

ترکی میں دہشت گردی کے واقعات میں اضافہ کی وجہ مختلف حلقے ترکی کی شام سے متعلق پالیسی کو قرار دے رہے ہیں کیوں کہ شام میں اب روس اور ایران بھی میدان میں کود...... (بقیہ: صفحہ ۶۴ پر)

ترکیب و تکلف لاکھ کرو فطرت کہیں چھپتی ہے اکبر

م ۔ ق ۔ ن

آنحضرت ﷺ کی پوری زندگی (LIFE) سادگی اور حقیقت پسندی کے وصف سے معمور تھی، ابتداء اسلام میں آپ مجلس میں اس طرح بیٹھتے کہ نووارد (نئے آنے والے) کو پوچھنا پڑتا "أیکم محمد" محمد کون ہیں؟ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ کی تربیت خالق کائنات نے کی تھی، آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا "أدبنی ربی فأحسن تأدیبی" میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا، یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی کے ہر شعبے اور میدان میں یہ وصف نمایاں اور بدرجہ اتم نظر آتا ہے۔

حضرات صحابہ جن کی آپؐ نے خصوصی تربیت فرمائی تھی، ان کے عظیم اوصاف میں سے ایک وصف "أقلھم تکلفاً" (بہت سادہ اور بے تکلف) بھی تھا۔ وہ نہایت متواضع اور بے تکلف تھے ان کی زندگی تکلفات سے خالی تھی، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو ایک مرتبہ لوگوں نے امامت کے لئے آگے بڑھادیا، نماز کے بعد فرمایا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ تم لوگوں نے مجھے سب سے زیادہ بہتر سمجھ کر آگے بڑھایا ہے آئندہ میں کبھی امامت نہیں کروں گا۔

حضرت محمد بن الحنفیہؒ جو حضرت علیؓ کے بیٹے ہیں وہ حضرت علیؓ سے پوچھتے ہیں کہ ابو! اس امت میں حضور ﷺ کے بعد سب سے زیادہ افضل کون ہیں؟ حضرت علیؓ جواب دیتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ سب سے افضل ہیں، وہ پوچھتے ہیں پھر کون؟ حضرت عمرؓ، وہ کہتے ہیں کہ اور آپ؟ تو حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ "میں ایک ادنی مسلمان ہوں"۔

حضرت عمرؓ بستر مرگ ہیں زخموں سے چور ہیں لوگ آرہے ہیں اور آپؓ کو خراج عقیدت پیش کررہے ہیں، مدینہ میں ہر طرف اداسی ہے، ایک نوجوان داخل ہوتا ہے اور بہت والہانہ انداز میں خراج عقیدت پیش کرتا ہے "اے امیر المؤمنین خوش خبری مبارک ہو کہ آپ کو نبی کریم ﷺ کی بابرکت صحبت ملی، آپؓ سابقین اولین میں ہیں، آپ نے عدل وانصاف سے زمین کو بھردیا اور آج آپ کو شہادت نصیب ہورہی ہے، جواب میں فرماتے ہیں کہ بھتیجے! "میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالی کے یہاں میرا معاملہ برابر سرابر ہوجائے، صرف چھٹکارا پاجاؤں"

ان واقعات سے ہم صحابہ کرام کی زندگی، ان کی سادگی اور حقیقت پسندی کا اندازہ کرسکتے ہیں لیکن آج ہماری زندگی سے یہ نمایاں اوصاف عنقا ہیں، ہم روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ ہم لوگ اپنی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے نہیں تھکتے، اپنی درخواستوں میں خاکساری، عاجزی، عاصی اور حقیر جیسے الفاظ ضرور لکھتے ہیں، لیکن اگر واقعی اگر کسی نے حقیر یا عاصی جیسے لفظ یا خطاب سے ہمیں پکار دیا تو ہم ناراض ہوجاتے ہیں، قول و فعل میں کتنا تضاد ہے جو ہماری زندگی میں سرایت کرگیا ہے۔

لہذا ضرورت ہے کہ ہم ہمیشہ اپنی زندگی میں سادگی اور حقیقت پسندی کا ثبوت دیں، راہ اعتدال کو اپنا شعار بنائیں حقیقت شناسی کا ثبوت دیں، انکساری اور تواضع کو اپنا نصب العین بنائیں اور جھوٹی شہرت سے اپنے کو بچائیں اور دوسروں کے کارناموں اور مستفاد اوصاف کے سہارے نہ جئیں، اپنا مقام خود تلاش کریں کیونکہ

ترکیب و تکلف لاکھ کرو، فطرت کہیں چھپتی ہے اکبر
جو مٹی ہے وہ مٹی ہے، جو سونا ہے وہ سونا ہے

☆☆☆

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۲ کا) چکے ہیں اور وہ کسی بھی صورت میں شام میں ترکی کو اپنی من مانی کارروائیاں کرنے کی اجازت نہیں دے رہے بلکہ یہ دونوں ممالک ترکی پر شام میں مداخلت کا الزام عائد کررہے ہیں، اسی وجہ سے یہ دونوں ممالک دہشت گرد تنظیم "پی کے کے" اور اس کی ذیلی شاخوں کی پشت پناہی کرتے ہوئے ترکی کو بھی شام کی طرح عدم استحکام کا شکار کرنا چاہتے ہیں۔

روس اس بات کا کئی بار برملا اظہار کر چکا ہے کہ وہ اپنے مار گرائے جانے والے طیارے کا ترکی سے ضرور بدلہ لے گا اور ترکی کو سبق سکھائے گا۔ ان دونوں ممالک کا مقصد ترکی کو اپنی خارجہ پالیسی تبدیل کرنے پر مجبور کرنا ہے اور اسے شام کے عوام کی ہمدردیوں سے دور رکھنا ہے، تاکہ بشار الاسد کے اقتدار کو جاری رکھا جا سکے اور یوں علاقے میں روس اور ایران کا اثر و رسوخ قائم ہو۔

حکومت ترکی نے ایک ہی سال میں اوپر تلے ہونے والے تینوں حملوں کے بعد حفاظتی اقدامات میں اضافہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس سلسلے میں حزب اختلاف کی جماعتوں کے رہنماؤں سے بھی قریبی رابطہ قائم کرتے ہوئے دارالحکومت کی سیکیورٹی کی پالیسی پر نظر ثانی اور اس سلسلے میں حزب اختلاف کی تجاویز کو اہمیت دیتے ہوئے حالات کو سازگار بنایا جائے گا۔ علاوہ ازیں ترکی کے چیف آف جنرل اسٹاف کی جانب سے جاری کردہ اعلامیے میں دہشت گردی کے حملے کی شدید مذمت کرتے ہوئے جنوب مشرقی ترکی میں دہشت گردوں کے خاتمے تک فوجی کارروائی کو جاری رکھنے سے آگاہ کیا گیا ہے۔

جامعۃ البنات حیدرآباد
JAMIATUL BANATH HYDERABAD

شعبہ حفظ
عالمیت فضیلت

لڑکیوں کا اعلیٰ و معیاری دینی ۲۸ سالہ قدیم جامعہ

شہر کے اہم مقامات سے بسوں کی سہولت

دینی تعلیم کے علاوہ انگریزی و کمپوٹر بھی سکھایا جاتا ہے۔ جس کے لئے خاص کمپیوٹر لیب پوری ضرورتوں سے آراستہ ہے۔
عثمانیہ یونیورسٹی (اورینٹل لینگویجس) کے ذریعہ میٹرک، انٹر، بی اے کے امتحانات بھی دلوائے جاتے ہیں۔
ایک سالہ اسلامک ڈپلومہ (کالج کی طالبات کے لئے) شعبہ تربیت۔ دبلوم العالی فی علوم الشرعیہ۔
(فارغات دینی مدارس کے لئے ایک نادر موقع)

والدین سے گزارش ہے کہ اپنی لڑکیوں کی بہترین تعلیم و تربیت کے لئے اس جامعہ میں داخلہ دلوائیں۔

نوٹ: (۱) اضلاع کے طالبات کے لئے جامعہ میں معیاری ہاسٹل کی سہولت ہے۔ (۲) شہر میں اس جامعہ کی اور کوئی شاخ نہیں ہے۔

صاحب خیر حضرات جو جامعہ کا تعاون کرنا چاہتے ہیں ہمارے بینک اکاونٹ نمبرس:

JAMIATUL BANATH HYDERABAD
Ac/No. 05110011021119. (Andhra Bank)
Ac/No. 19380100018623 (Bank of Baroda)

پتہ: جیون یار جنگ کالونی، روبرو مدینہ میڈیکل ہال، VIP اسکول کی گلی، سعید آباد، حیدرآباد۔
رابطہ نمبر: 7032101979,9848431304,(040)24553534
Website:www.jamiatulbanath.org